تبصرۃ وذکریٰ لکل عبد منیب (قرآن عظیم ۸:۵۰)

غور کی باتیں اور عبرت ہر اُس شخص کے لئے ہی جو اچھا بننے کا ارادہ کر چکا ہے!

اشارات

یعنی

مُسلمانوں کو پھر طاقتور بنا دینے کا

واحد طریقہ اور "خاکساروں" کی تحریک کی تشریح

عنایت اللہ خان

بار اول

قیمت ۱۲؍ ر

فہرست مضامین

صفحہ

پہلا باب۔ مسلمانوں میں سچائی قبول کرنے کی پوری صلاحیت ہے۔ ۱

دوسرا باب۔ مسلمان مُردہ قوم نہیں۔ ۷

تیسرا باب۔ رہ نماؤں کے انتخاب میں سختی مسلمانوں کی خوبی ہے۔ ۱۳

چوتھا باب۔ مسلمانوں میں کیسا رہ نما قبول ہو سکتا ہے۔ ۱۸

پانچواں باب۔ رہ نما پیدا کرنے کی ذمہ داری قوم پر ہے۔ ۲۴

چھٹا باب۔ صحیح رہ نما پیدا کرنے کا واحد طریقہ "اصلاح نفس" ہے۔ ۳۰

ساتواں باب۔ مسلمانوں میں زوال کا عام احساس اور اصلاح کی عام تڑپ موجود ہے۔ ۳۷

آٹھواں باب۔ موجودہ رہ نما اور اُن کو کیا کرنا چاہیئے۔ ۴۳

نواں باب۔ دردمند مسلمانوں میں اصلاح نفس کیونکر شروع ہو۔ ۴۹

دسواں باب۔ مسلمانوں کے خاص طبقوں کی مذہبی حالت اور اصلاح نفس۔ ۵۳

گیارھواں باب۔ عام مسلمانوں کے ایک بڑے حصے میں مذہبی حس موجود ہے۔ ۶۱

بارھواں باب۔ عام مسلمانوں میں کیا بے مثال صلاحیتیں اسوقت موجود ہیں۔ ۶۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

یہ تصنیف "تذکرہ" کی دوسری جلد نہیں لیکن پچھلے کئی برس کے خاموش غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں کو ایک طاقتور قوم پھر بنا دینے کی جو تجویز میں نے پیش کی ہے بادشاہت اور قوت کی واحد صورت ہی۔ اصلاح نفس اور خدمتِ خلق زندگی اور طاقت کا پہلا نشان ہیں۔ ان کے اندر مخدوم بن جانے کا راز ہے۔ مسلمانوں نے اگر اس تجویز کو مضبوطی سے پکڑا تو چند برس کے اندر کایا پلٹ جائے گی، چھوڑ دیا تو موت یقینی ہے۔ مکالمہ کے شروع میں وہی کچھ ہے جو فرداً فرداً خطوں میں لکھا یا اور طرح پر زبانی کہا۔ تجویز کو اب ظاہر کرتا ہوں جبکہ اسکی سچائی پر یقین ہو چکا ہے۔ میری طرف سے عمل اُسوقت شروع ہو گا جب مسلمانوں کے ارادے کا پورا یقین ہو جائے گا۔

اچھرہ۔ لاہور

یکم اگست سنہ ۱۹۳۱ء

مطابق ۱۶۔ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۰ھ

عنایت اللہ خان

تیرھواں باب ۔ تمام ناکامیوں کا باعث اصلاح نفس کا نہ ہونا ہے ۔ ۸۰

چودھواں باب ۔ اصل اسلام کیا ہے اور مسلمانوں کا زوال کس تعلیم سے ہوا ۔ ۸۹

پندرھواں باب ۔ قوت کا راز صرف توحید کو صحیح سمجھنا ہے اور مسلمان کیونکر پھر قوی بن سکتے ہیں ۔ ۹۴

سولھواں باب ۔ خاکساروں کی تحریک، اصلاح نفس کا دستور العمل اور بیلچہ ۔ ۱۰۴

سترھواں باب ۔ بیلچہ اصلاح نفس کی تحریک کا نہایت ضروری جزو اور مسلمانوں کا مذہبی نشان ہے ۔ ۱۱۷

اٹھارھواں باب ۔ خاکساروں کا بقیہ دستور العمل اور حرکت کا اعلان ۔ ۱۲۸-۱۳۶

از جُنبشِ دوگامِ مژہ رہ بہ پَے برند

مردانِ دل کہ روئے بمنزل نہادہ اند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

مسلمانوں میں سچائی قبول کرنے کی پوری صلاحیت ہے

ہمدرد - جناب! "تذکرہ" میں آپ کے اعلان نے کہ آپ کسی موافق یا مخالف سے بحث نہ کرینگے ایک بڑی مدت تک ہم لوگوں کو آپ سے باز رکھا۔ آخر اس خیال سے کہ شاید آپ کی صرف ملاقات ہی ہماری بے چینی کو دور کر سکے پچھلے سال زیارت کی اجازت مانگی۔ آپ نے لکھا کہ "زیارت کا اہل نہیں ہوں اور اُس نقصان کو جو آپ کو اسقدر دور سے آنے میں ہوگا برداشت نہیں کر سکتا"۔ ناچار چُپ ہو گئے۔ سات برس سے جو خاموشی آپ نے اختیار کی ہے اُس پر جسقدر افسوس کیا جائے کم ہے "تذکرہ" لکھنا اور پھر چُپ ہو رہنا، دوسری جلد کے عام اضطراب کی پروا نہ کرنا معاف فرمائیں غفلت بلکہ بے رحمی نہیں تو کیا ہے! لوگ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اُن کا ہاتھ اور آپ کا دامن ہوگا اور قوم کے تمام گناہوں کا بوجھ آپ کی گردن پر ہوگا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت شیخ امام سنوسی نے بھی آپ سے "تذکرہ" کی باقی جلدوں کا مطالبہ مضبوطی سے کیا اور لکھا کہ تکمیل واجب ہے۔

اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (قرآن کریم ۴۲:۱۵)

خدا ہم سب کو اکٹھا کرے اور آخر کار جواب دہی کے لیئے جانا تو اُسی کی طرف ہے (قرآن کریم)

منبر، مسلم، غیر مسلم، امیر، غریب، عالم، جاہل، الغرض کوئی حصہ ہندوستانیوں کا نہیں جہاں یہ کتاب گئی ہو اور اس نے اپنا اثر نہ دکھایا ہو۔ مجھے یقین ہے کہ اُس چند روزہ مخالفت کو چھوڑ کر جو ایک دو لوگوں نے 'تذکرہ' کی اشاعت کے پہلے مہینے میں کی، اور جو صفر کے برابر ہے، اس سات برس میں غالباً ایک لفظ بھی کسی نے آپ کو اس مطلب کا کہا یا لکھا ہو کہ آپ نے بُرا کیا۔ 'تذکرہ' ایک ہمیشہ رہنے والی تصنیف ہے اور کوئی طاقت اب اسکو فنا نہیں کر سکتی۔ پنڈت صاحب آپ کے سامنے ہیں اور اس بات کے گواہ ہیں کہ انہوں نے بھی 'تذکرہ' کو اس پانچ برس میں فرصت کے کسی وقت نہیں چھوڑا۔ انکی نظر اس مقدّس کتاب کے ادب کی طرف اتنی نہیں جتنی کہ چاہیئے، مگر وہ اسکی تعلیم کو دیکھکر عش عش کر اُٹھتے ہیں، اُنہوں نے اپنے حلقے میں اسکی اشاعت بھی خوب کی ہے اور مسلمانوں سے جو محبّت ہے وہ ہماری شبانہ روز صحبت اور اس دور دراز سفر سے ظاہر ہے۔ اگرچہ جناب کے سامنے میری تقریر کسیقدر لمبی ہو گئی ہے لیکن میں اُن دلی خیالات کا جو ہم اپنے گھروں سے لیکر آئے ہیں دسواں بلکہ سوواں حصہ بھی ظاہر نہیں کر سکا۔ بہرنوع جب 'تذکرہ' کی پہلی جلد کو یہ قبولیت حاصل ہے تو ہماری آپ سے اس ناگہاں ملاقات کی غرض صرف اسقدر ہے کہ آپ سے بہ ادب اور بزور التجا کریں کہ اگر قوم کو زندہ رکھنا ہے تو دوسری جلد کو جلد سے جلد شائع کر دیجئے۔

مصنف۔ میری خاموشی کے بارے میں آپ صاحبان نے جس خلوص اور محبّت سے مجھے ملامت کی ہے اسکی قدر کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس قطع کی کتاب لکھنے کے بعد جیسا کہ 'تذکرہ' ہے مجھے کچھ دیر تک خاموش ہو جانا چاہیئے تھا۔ مجھے اس بات کا اندازہ لگانا ضروری تھا کہ مسلمان اور خاصکر مسلمانوں کے اُس حصّے میں جسکے لیئے 'تذکرہ' لکھا گیا تھا ایک سچائی کے قبول کرنے کی کسقدر اہلیّت باقی ہے۔ مجھے

تذکرہ کے بعد اس سات برس میں ایک مضمون ایک سطر ایک حرف آپ کا کسی کتاب، رسالہ یا اخبار میں نہیں دیکھا، حالانکہ یہ دن ہمارے لیئے ایسی پریشانی کے تھے کہ تاریخ میں اُنکی مثال نہیں۔ پچھلے برس جو واقعات ہندوستان میں ہوئے اور آج ہو رہے ہیں اسقدر اہم ہیں کہ اُن کے متعلق رہنمائی اور بحث کے لیئے اِس نفسانفسی کے زمانے میں آپ کے قلم بلکہ زبان کو بڑی جنگ کرنا چاہیئے تھا، مگر آپ نے پروانہ کی۔ لوگ یہانتک بھی کہنے لگے ہیں کہ انگریزی حکومت نے آنکھیں دکھا کر آپ کو ڈرا دیا ہے، اب گویا زبان بھی آپ کے مُنہ میں نہیں رہی۔ یا شاید مُلّاؤں سے آپ دب گئے! بہرنوع اب جس طرح بھی ہوا ہم آپ کے سامنے حاضر ہیں، ہم سے جو سلوک چاہیں کریں، لیکن ہمارا مقصود بحث ہرگز نہیں تذکرہ کے ایک ایک حرف پر ہمارا ایمان پہلے سے ہی، ہم اسکو اوّل سے آخر تک سمجھ چکے ہیں، ہم سمجھ چکے ہیں کہ ایک گری ہوئی قوم کے لیئے آخری علاج تذکرہ ہے۔ ہم اسپر عمل ہوتا ہوا اور اس کے بتلائے ہوئے نتیجے پیدا ہوتے ہوئے آج ان آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ہم اسکی ادبیت کو بے مثال کیا بلکہ یقین کرتے ہیں کہ دنیا ایسی تحریر پھر پیدا نہ کر سکے گی۔ اگرچہ قوم مُردہ ہو چکی ہے لیکن آپ نے اُن لوگوں کو جنھوں نے تذکرہ پڑھا ہے فی الحقیقت زندہ کر دیا ہے۔ ہم کوٹ پتلون پہنکر آج قرآن اور اسلام سے پھر لَو لگائے بیٹھے ہیں، ہم تذکرہ کے الفاظ کو پڑھتے ہیں اور گھنٹوں تک سر دُھنتے ہیں، جس جس کو سناتے ہیں وجد میں آجاتا ہے، پڑھتے ہیں اور پھر پڑھنے میں مزا سوا آتا ہے، کوئی مجلس نہیں جہاں اس کا ذکر نہ ہو، کوئی اخبار، کوئی قومی رسالہ، کوئی لکچر نہیں جہاں اسکے اصولوں کی در پردہ تعلیم نہ ہو۔ اسّی برس کے بوڑھے بلا مبالغہ اسپر مرتے ہیں، پچیس برس کے جوانوں کی یہ روحانی غذا ہے۔ طالب علم، فارغ شدہ لوگ، ملازم، غیر ملازم، مولوی، غیر مولوی، مجسٹریٹ، ڈپٹی، معلم، پولیس والے، مسجد، مکتب،

تو شائد ایک شعلۂ خس سے زیادہ روشنی نہ رکھتے ، وہ اُن کو اُنکی پہلی کمزوری پر مٹی میں ملا دیتے۔ اَور قوموں میں ہر طرح کے آدمی کھپ جاتے ہیں، اُن میں اِس بات کی گنجائش ہو جاتی ہے کہ بُرے بھلے، درمیانے ، شہرت پسند، خاموش ، عالم ، جاہل ، سب کو اپنی اپنی طاقت اور دھکیلنے کی قوت کے مطابق منظور کرلیں، اور بالآخر اُنکی بڑائی کو یک بیک تسلیم کرلیں۔ اُن کے خداؤں یا دیوتاؤں میں بھی جنکو وہ مانتے ہیں اِس قسم کا نقص کم و بیش پایا جاتا ہے مگر مسلمان کا رہ نما، کم از کم قول میں، صرف خدائے زمین و آسمان ہی اور وہ ہر طرح کامل ہے۔ اسلیئے خواہ مسلمان کی اپنی ذات میں لاکھ عیب ہوں، اُسکی اپنی کمزوریاں سورج کی طرح ظاہر ہوں لیکن وہ اس بات کو غیرتاً گوارا نہیں کرسکتا کہ اُس شخص میں جو اُسکو راہ دکھلانے کا دعویدار ہو اپنے یا کوئی بھی عیب دیکھے۔ وہ اُسکو فوراً نیچے گرا کر اپنے برابر کرلیتا ہے اور آیندہ کے لیئے دوسرے خس و خاشاک بلکہ کئی جواہر ریزوں کی راہ بھی روک دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عجیب و غریب قوم میں مصلح اور رہ نما بلکہ بڑے آدمی بھی کم پیدا ہوئے ہیں، یا جو پیدا ہوئے ہیں اُنکی جیسی عزت اور قومیں کرسکتی تھیں نہ ہوسکی۔ وہ گمنامی اور ذلت میں اکثر رہے اور رنج و تکلیف میں اپنے دن کاٹ کر چلے گئے۔ اُنکی تصانیف کو بھی کبھی وہ رتبہ نہ مل سکا جو اور قوموں کے بعض نہایت لغو نویسوں کو اکثر ملا۔ اب بھی جب کبھی مجھے اور قوموں کے رہ نماؤں کی زندگیوں اور اُنکی بنائی ہوئی کتابوں کے مطالعہ کا اتفاق ہوا ہے، یا دنیا کے موجودہ رہنماؤں کو اُن کے اپنے گوشت پوست میں دیکھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں کہ جو تعلیم اُنھوں نے اپنی قوم کو دی، جو ذاتی عیب اُن میں تھے، جس شہرت اور طاقت کو وہ کھُلے بندوں کو چاہتے رہے، جس نہایت کم اخلاقی یا روحانی قوت کے وہ مالک تھے یا جو کم علمی اور عام گوئی اُن میں تھی اُنکے بالمقابل مسلمانوں کے معمولی معلّموں کی تحریریں

یقین ہے کہ یہ خموشی بے وجہ اور بے فائدہ نہ تھی، اس نے اپنا کام بروقت اور نہایت کامیابی سے کیا۔
آپ نے اسکو نقصان وہ کہا ہے لیکن اس سرزمین میں ایسے ہوشمند لوگ موجود ہیں جنہوں نے مختلف جگہوں
سے نہایت متانت کے ساتھ مجھے لکھا ہو کہ اب کسی دوسری جلد کی ضرورت صدیوں تک نہیں رہی۔ ایک
قوم کے تعلیم یافتہ طبقے کی قوت کا اندازہ لگانے کے لیئے سات برس کچھ بڑی مدّت نہیں، اور اس اندازہ
کو اور صحیح بنانے کے لیئے میں نے نہ صرف اپنی خموشی کو ضروری سمجھا بلکہ یہ بھی ضروری جانا کہ تذکرہ کی
اشاعت خاموش طریقے سے ہو، اسکی موافقت میں شور شر نہ ہو، اسکے پڑھنے اور سمجھنے کی وقتیں بہتوں
کو خاموش کردیں، اس کا عربی دیباچہ کتاب کھولتے ہی لوگوں کو ڈرادے، حتیٰ کہ کتاب پر مصنف کے
نام کے سوا خاموشی ہو۔ میرے نزدیک مسلمانوں کو کسی حقیقت کے منوانے کا عمدہ طریق یہ ہو کہ اُن
سے بحث نہ کیجائے، حقیقت کو کھلے الفاظ میں پیش کرکے اُنکو اکیلا چھوڑ دیا جائے، وہ خود اُس کو
اپنے طور پر اور سب سے پہلے لے لیں گے، اُسکو اپنی ملکیت اور جائداد بنالیں گے، اُسکی مخالفت
میں ایک حرف کہنے سے بچیں گے، اسکو اپنی زندگی کا شعار بھی بنالیں گے، ایک ہزار برس میں ختم
نہ ہونے والی بحثیں اسطرح چند برسوں میں ختم ہوسکتی ہیں، لیکن اگر مقابلہ اور لڑائی یا نمائش اور ڈھٹائی
ہے تو مسلمان سورج کو بھی روشن ماننے کے لیئے تیار نہیں۔ وہ نمود اور دکھلاوے یا شور شر اور اشتہار
سے پورے طور پر متنفر ہیں، اُنکی تیز اور عیب بین نظریں ہر اُس شخص کو فوراً پہچان لیتی ہیں جس میں خود
غرضی اور دکھلاوا ذرا سا بھی ہو، کوئی شئے اُنکے ہاں پنپ نہیں سکتی جب تک کہ اُسمیں سرتاپا سچائی اور
بے نفسی اور اوّل سے آخر تک راستی نہ ہو۔ اُن کے امتحان اور احتساب کا معیار اس قدر سخت ہے کہ
اور قوموں کے بہت سے رہنما جو اپنی اپنی جگہ سورج اور چاند بن کر چکے ہیں مسلمانوں کے ہاں ہوتے

دوسرا باب

مُسلمان مُردہ قوم نہیں!

ہمدرد۔ جناب! میں غلطی پر تھا۔ ایسی خاموشی پر ہزار گویائیاں قربان ہیں۔ مگر اللہ اکبر! آپ تو بعینہٖ اُس کانٹے کو چھیڑنے لگے جو مدّت سے چبھ چبھ کر ہمارے دلوں کو لہولہان اور جان کو ہلکان کر رہا تھا، اور جسکے متعلق سوال کرنے کی مجھے تدبیر نہ سوجھتی تھی۔ مسلمانوں کی اس بُرائی کو جناب والا نے جس انداز سے بیان کیا ہے اسکے متعلق مجھے بیحد حیرانی پیدا ہوگئی ہے۔ آپ نے اسکو زیادہ ترغیبی کے رنگ میں ظاہر کیا ہے حالانکہ ہم دن رات اکٹھے بیٹھکر اسی خیال میں جلتے اور کُڑھتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی بدبختی اور اُن کی تمام بیماریوں کی جڑھ یہی اپنے اپنے رہنماؤں اور بہادروں کی قدر نہ کرنا، اور ہر شخص کا تیس مار خاں بنے رہنا ہے۔

مصنّف۔ آپ نے اپنی تقریر میں اگر مجھے ٹھیک یاد ہے 'تذکرہ' کی ادبی خوبیوں کو سراہا تھا، اپنے زندہ ہونے کا باعث بھی اُسکے ادب ہی کو کہا تھا، مزے لے لیکر پڑھنے اور وجد میں آنے کا ذکر کیا تھا، کوٹ پتلون پہنکر اسلام سے لَو لگانے کی کہی تھی، اسی ادبی مذاق نہ ہونے کی پنڈت صاحب سے شکایت تھی، میری خاموشی سے آپ ناخوش تھے۔ میرا خیال تھا کہ آپ نئے رنگ کے ادیبوں کی ایک جماعت ہیں جو چٹخارے لینے کے بعد "کچھ اور فرمائیے" کی درخواست لیکر آئے ہیں۔ آپ کی تسلّی کے لیئے میں نے اپنی خاموشی کی وجہ جو میرے نزدیک تھی، بیان کردی۔ اب چند لمحوں کے بعد آپ ایسی خاموشی پر ہزار گویائیاں

آسمان سے لائی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ سعدی، ابن رشد، مولانا روم، اور ابو الفضل اگر یونان اور لندن میں ہوتے تو غالبًا ارسطو، افلاطون اور بیکن کی شہرت کو قطعًا مات کر دیتے۔ اور نذیر احمد اور اسمٰعیل شہید اگر ہندوؤں میں آج زندہ ہوتے تو کانگریس کا پنڈال انہی سے سجا ہوتا بلکہ انگریزی حکومت کا نکالنا بھی انہی کے ہاتھوں ہوتا۔ حضرت عمرؓ، صلاح الدینؒ، محمودؒ، اکبرؒ، اورنگ زیبؒ کی مسلمانوں میں وہ عزت نہیں جو اور قوموں میں اسکندر، نپولین بلکہ ہینیبل کی ہے۔ بہرنوع یہ قصہ دوسرا ہے۔ اگر ایسے ماحول میں تذکرہ کو جس نے مسلمانوں کی سینکڑوں برس کی مانی ہوئی باتوں اور پیارے عقیدوں کو کاری ضرب لگا کر اُن کو پھر اُسی سچائی کی طرف متوجہ کیا جو کبھی اُن میں تھی، عام قبولیت میری زندگی میں اُس طبقے میں حاصل ہوئی ہے جو سب سے زیادہ کھوٹے اور کھرے کو پرکھنے والا، سب سے زیادہ علم والا، اور صاحب رائے بلکہ سب سے زیادہ خودرائے اور سرکش ہونا چاہیئے تھا، تو الحمد للہ اسکی وجہ سوائے اسکے نہیں کہ میں نے اُس سچائی کو پیش کر کے اُنکو اکیلا چھوڑ دیا، مخالف سے اعتراض نہ کیا، موافق سے بات نہ بنائی، سچائی کو اپنی جائداد نہ سمجھا، اور دو طرفہ خاموش ہو رہا۔ ایسی خاموشی میرے نزدیک ملامت کے قابل نہیں۔ میں اگر اس سات برس میں خاموش رہ کر کسی قطعی اور مفید نتیجہ پر پہنچا ہوں تو وہ یہ ہے کہ مسلمان اور باتوں میں کتنے ہی برے کیوں نہ ہوں مگر اُن میں سچائی کو قبول کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ میری رائے میں یہ ہزار نتیجوں کا ایک نتیجہ ہے اور چپ رہنے کے بدلے مہنگا نہیں۔

ڈپٹی ہیں اور حضرت اکبر سے تلمذ تھا۔ جیسا کہ میں نے پچھلے برس عریضہ میں لکھا تھا۔ الغرض یہ ہماری کہانی ہے مگر ہم جناب کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمارا مشغلہ وہ ادب ہرگز نہیں رہا جسکی طرف آپ نے اشارہ کیا۔ پنڈت جی وقت میں بھی کفایت شعار ہیں، وہ یوں تو گھنٹوں تک مگر روزانہ نہیں آتے لیکن فرصت کے بعد ہم چاروں کا میل روزانہ ہے۔ اِس فرصت میں یقین جانئے کہ مسلمانوں کی خرابیوں، انکے مکمل اور اچانک زوال، انکی اخلاقی کمزوریوں، انکے اپنوں سے حسد اور رنجشوں، انکی فرعون مزاجیوں انکی فرقہ بندیوں، اُن کی خود غرضیوں اور نفس پسندیوں، انکی بیکاریوں اور بدمعاشیوں پر کوئی گفتگو نہیں جو ہم نے کھول کھول کر نہ کی ہو اور اپنی طاقت کے موافق اس کا علاج "تذکرہ" بلکہ تمام دنیا کے فلسفے اور تاریخ اور حکمت کو پیش نظر رکھکر نہ سوچا ہو۔ ہمارے یہ ڈاکٹر صاحب کسی بحث کو جانے نہیں دیتے جب تک کہ اسپر جراحی کا عمل کرکے منطقی طور پر اُس کا علاج نہ سوچ لیں۔ ان صدہا صحبتوں کے بعد جو ہم نے اِس اثنا میں کی ہونگی اور علاجوں کی عملی تجویزوں کے بعد جو ہم نے سوچی ہونگی اب ہمارا یہ حال ہے کہ آہوں اور چیخوں کا ایک دریا ہمارے سینوں میں اُمڈتا ہے، کوئی تدبیر کارگر ہوتی نظر نہیں آتی، پوری قوم تو درکنار دس شخص بھی ایک بات پر نہیں جمتے، ہر ایک اپنے تکبر میں فرعون بے سامان ہے۔ ہر ایک کی اپنی رائے ہی، جس بات کو لے بیٹھا ہے، اُسی پر اڑا ہے، ایک کو ایک سے حسد ہے، ایک کو ایک پر بدگمانی ہے، ایک دوسرے کے گوشت کو کھا رہا ہے، ڈپٹی اور جج ہونے کا فخر ہے، مولوی ہونے کا کبر ہے، علمی کا کبر ہے، خریدار ہیں نہیں مگر ایڈیٹری کا کبر ہے، تعلیم صفر ہے مگر علمیت کا کبر ہے، فوج ندارد ہے مگر لیڈری کا کبر ہے، طاقت ذرا بھر نہیں مگر خدائی پر طعن ہے! ہمارے فیصلے میں اب مسلمانوں میں ایک ادنیٰ سی خوبی بھی باقی نہیں رہی۔ تذکرہ اگر آسان عبارت میں ہوتا اور قیمت بھی ایسی ہوتی کہ ہر شخص اسکو

قربان کرتے ہیں اور حیرت ہی کہ میری بات کو بیچ سے پکڑ کر سلسلہ کلام کو بالکل دوسری طرف لیجانا چاہتے ہیں۔

ہمدرد۔ جناب والا! آپ کے اِن نشانہ پر لگائے ہوئے تیروں نے مجھے اور یقیناً میرے ساتھیوں کو پسینہ پسینہ کردیا ہے۔ اگر گستاخی نہ ہوتی تو پیشانی اور بدن پر ہاتھ رکھکر دکھا دیتا۔ ہم نے ابھی ایک دوسرے کی طرف تاکا اور اسی ایک تکنے میں اپنے پشتینی گناہوں اور آدھی رات کی آرزوؤں کے دفتر کے دفتر کھُل گئے۔ ہم نے جناب کے "خریطہ" کو غور سے پڑھا ہے، اور اُس کا سچّا اور اصلی اثر جو ہمارے دل پر ہے تذکرہ سے بھی سوا ہے۔ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ ادب کا بے طرح مذاق اور گھر گھر میں شاعری کی لت وہ بیماری اور بیکاری ہے جو مسلمانوں کی جڑوں کو کھوکھلا رہی ہے۔ مسلمانوں نے جب سے قرآن کو شعر سمجھا بے عمل ہوگئے، اور ادب کے چند قاعدے سیکھ کر اور قلم کو کاغذ پر گھسیٹ کر بڑے سے بڑے شخص کو خاطر میں نہ لانا اور اُسکی پگڑی اُچھالنے کی کوشش کرنا وہ خطرناک مرض ہے جس نے قوم کی طاقت کو ریزہ ریزہ کردیا ہے۔ میری صحیح معنوں میں نادانی اور جہالت تھی کہ تذکرہ کے ادب کا وضاحت سے ذکر کیا، باوجودیکہ خریطہ کو پڑھنے کے بعد مجھے جاننا چاہیئے تھا کہ آپ کو ایسی تعریف سے دُکھ ہوگا۔ اسمیں شک نہیں کہ کسی مستقل قومی کام کے پیش نہ ہونے اور مسلمانوں کی عام گری ہوئی حالت کی وجہ سے فرصت کے وقت ہمارا شغل کتاب اور مطالعہ ہے، اور کتاب بھی کیا اب تو مدّت سے تذکرہ پر ہی بحث مباحثے ہیں۔ ہم میں سے یہ دو صاحب شاعر تھے اور خوب کہتے تھے۔ تیسرے مولوی بھی ہیں اور مجاہد بھی، مَیں اکثر نثر میں اسلامی مضمون لکھتا تھا، پنڈت صاحب تاریخ داں اور فلاسفر ہیں، ایم۔ اے میں تاریخ لی تھی مگر اردو فارسی سنسکرت بلکہ عربی بھی خوب جانتے ہیں، گیتا اور کرشن مہاراج کے ذکر کو تذکرہ میں دیکھکر انہوں نے اِس کو پڑھنا شروع کیا اور مہینوں تک ہم سے غائب رہے۔ ہم سب برسرکار ہیں، یہ صاحب

اسلام کے ابتدائی زمانے میں عرب قوم کی سیاہ سے سیاہ تصویر جو آج شاعرانہ رنگ میں لکھنے والے اکثر اسلامی مورخ پیش کرتے ہیں اگر فی الحقیقت صحیح ہوتی اور وہ قوم سچ مچ مُردہ ہوتی تو حیرت ہے کہ قرآن میں پیغمبرِ اسلامؐ کو اس تنبیہ کے باوجود کہ "تو مُردوں کو ہرگز بیدار نہیں کر سکتا" وہ قوم تھوڑی ہی مدت میں آفتاب بن کر کیونکر چمکی۔ عرب کا قرآنی ہدایت کو چند برسوں میں قبول کر لینا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ عرب مُردہ نہ تھے، اور جس میں دوا قبول کرنے کی اہلیت باقی ہے وہ مرا نہیں۔ رہا یہ امر کہ مسلمانوں کے ہاں سچے، بے نفس، اور فی الحقیقت بڑے آدمی کے سوا کسی کی دال نہیں گلتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ قابل ملامت نہیں بلکہ مستقل خوبی ہے۔ اس سے مسلمانوں کے نظری اخلاق کے اعلیٰ معیار کا پتہ لگتا ہے۔ نپولین اور اسکندر جنکو تاریخ میں اعظم کہا جاتا ہے، اُنکی عظمت اُنہی کی ذات تک محدود تھی، اُنکے حیرت انگیز کارنامے آنکھ کی جھپک میں ملیا میٹ ہو گئے، اُنھوں نے قوم اور جماعت کو بڑا نہیں بنایا، نہ اُنکے کارناموں کا کوئی اثر بعد میں باقی رہا، لیکن عمرؓ نے اسلام کو عالمگیر کر دیا، محمودؒ کی اولوالعزمی نے ہمیشہ کے لیے ہندوستان کے دروازے اسلام کے لیے کھول دیے، اکبرؒ نے مسلمانوں کی حکومت مدت تک مضبوط کر دی، اورنگ زیبؒ نے گرتی ہوئی سلطنت کی چھت کچھ دیر تک تھام لی۔ اسلام کے کسی مشہور اور مانے ہوئے شخص کو لو، اور اُسی رتبے اور درجے کا شخص کسی دوسری قوم میں لو۔ آپ پر یہ بات واضح ہو جائیگی کہ اسلام کے اندر اُس شخص کی جو اسلام اور قوم کے لیے نہیں یا جو محض اپنی ذات کے لیے ہے کچھ گنجائش نہیں عیسائی یورپ کے اندر کپلنگ بلکہ ٹیگور اور عنایت خاں ہندی کہانیاں، دُہرے، اور گیت لکھ لکھ کر مشہور سے مشہور مصنّف اور دولتمند بن سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کے اندر الف لیلہ کے مصنّف محمود الوراق اصفہانی کے نام یاد رکھنے کی بھی خواہش نہیں۔ بائرن عورتوں سے عشقبازی کرنے اور شراب سے بھرے ہوئے فُحش

خرید سکتا تو بے شک اُمید تھی کہ گھر گھر پہنچکر قوم دس یا بیس برس میں سنبھل جاتی مگر بیماری بالکل لا علاج ہے۔ راہ تو صاف ہی مگر رہنما کوئی نہیں مسلمان یقیناً مر چکے ہیں۔ جناب نے جس انوکھے انداز سے مسلمانوں کی اِس مہلک بیماری کا کہ بے عیب انسانوں کے سوا اُن کے ہاں کوئی نہیں کھپتا اور بے عیب محض خدا کی ذات ہے، ذکر کیا ہے بلکہ جس طرح پر اسکو خوبی کے رنگ میں بیان کیا ہے اُس نے مجھے چوکنا کر دیا ہی۔ اِسی بنا پر میرا جناب سے سوال تھا۔

مصنّف۔ مسلمانوں کی قوم کی یہ دل شکن تصویر آپ سے پہلے کئی دفعہ میرے سامنے آچکی ہے تذکرہ لکھنے سے پہلے اور اُسکے بعد کئی بار۔ مجھے ڈر تھا کہ اسقدر کثرت رائے کے بالمقابل شائد میں غلطی پر ہوں، اور اسلیئے لگاتار سوچتا اور مطالعہ کرتا رہا۔ میرے اندازے میں یہ بات پہلے بھی غلط تھی اور اب زیادہ غلط ہے کہ مسلمان مُردہ قوم ہیں۔ اَور قوموں مثلاً ہندوؤں اور عیسائیوں نے مسلمانوں کی ایسی بُری تصویر کہیں پیش نہیں کی بلکہ وہ مسلمانوں کی قوتِ عمل اور زندگی سے ہمیشہ ڈرتے رہے ہیں۔ اگر مجھے اسمیں ذرا سا شک ہوتا تو تذکرہ لکھنے کی محنت کبھی گوارا نہ کرتا، میں قرآن کو کم از کم مسلمانوں کے سامنے پھر پیش نہ کرتا اگرچہ میرا یہ کرنا اس بات کی دلیل ہو نہیں سکتا کہ مسلمان زندہ ہیں مگر اِس سے کم از کم یہ ثابت ہی کہ میرے نزدیک مسلمان مُردہ نہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد سیّد علیہ الرحمۃ کے وقت سے مسلمانوں کے ایک طبقہ میں یہ احساس غلطی سے عام ہو گیا ہے کہ ہم مُردہ ہیں، ہر شخص اب اِس مرثیہ خوانی میں اَوروں سے آگے بڑھنا اور قوم کو بُرا کہہ کر سچ مچ بُرا بنانا چاہتا ہے لیکن سیّد اور اُن کے اکثر رفقا ہرگز اِس بات کے معتقد نہ تھے کہ وہ قوم کے آخری لمحوں کی نوحہ خوانی کر رہے ہیں وہ صرف صورتِ حالات کو بدلنا چاہتے تھے بلکہ قوم کو نئے اور ناگزیر حالات کی صورت پر ناچار لانا چاہتے تھے۔

تیسرا باب

رہنماؤں کے انتخاب میں سختی مُسلمانوں کی خوبی ہے

ہمدرد۔ معاف فرمائیں اس حساب سے تو مسلمان معاذ اللہ اپنے خدا سے بھی خوش نہ ہونگے اور یہی اُنکے سچے زوال کی علامت ہے۔ جناب کی وسیع معلومات میں کلام نہیں لیکن مسلمانوں کی اس روشن بُرائی کو خوبی کہنا میری سمجھ میں نہیں آتا جناب نے تذکرہ میں ایسی ٹیڑھی بات کہیں نہیں کی بلکہ جو کچھ کہا ہے ہر عقلمند شخص ذرا سی سوچ کے بعد اسکو تسلیم کرتا گیا ہے۔

مصنّف۔ زوال کی علامت قطعاً نہیں۔ اگر زوال کی علامت ہوتی تو مسلمانوں کا یہ اخلاق اس قدر قدیم نہ ہوتا۔ کیا مسلمان حضرت عمرؓ کے وقت سے گرنے شروع ہوگئے تھے کہ ایک بدبخت اعرابی نے بھری مجلس میں یمن سے آئی ہوئی چادروں کو ناانصافی سے تقسیم کرنے کے شک میں اپنے عزیز سردار کو بدنام کرنے کی کوشش کی، یا کیا الف لیلہ کے زمانہ میں مسلمان انتہائی ادبی اور سیاسی عروج پر نہ تھے کہ کسی نے اُسکے مصنّف کے نام کو بلند کرنے کی پرواتک نہ کی اکسی سلطنت نے دو کوڑی اسکو انعام نہ دیا، تھیں کیا پھر عمرؓ نے اُس بدبخت اعرابی کو سزادی یا اس ناگوار بات پر ٹوکا کہ اس طرح پر اپنے امیر کو شرمندہ کرنا اسلام میں روا نہیں۔ میرے یقین میں مسلمانوں کا یہ شعار ٹھیٹھ اسلامی ہے، اسلام کی زیست سے پیدا ہوا ، اسلام کے ساتھ ساتھ رہیگا، اور جب تک مسلمان بالکل نہ مٹ جائیں دنیا میں اس کا نشان موجود ہوگا۔ اس میں

گیت لکھنے سے ایک بڑا اور چوٹی کا شاعر بن سکتا ہے مگر وہ بیسیوں اور کوڑیوں شاعر جنھوں نے بائرن سے بہتر اور فحش تر عشقبازی اسلام میں کی اور جن کے دیوان کا ایک ایک بیت بائرن کے سستے عشق کو شرماتا رہے گا، کہاں گئے؟ کیا خالدؓ، مسلمؒ اور طارقؒ کے مقابلے میں انگلستان اور یورپ کا بڑے سے بڑا فاتح ایک لمحہ کے لیۓ ٹھیر سکتا ہے، یا ٹھوس نتائج اور تعمیری طاقت کے لحاظ سے اِس گئے گذرے زمانے میں بھی مصطفےٰ کمال، رضا خاں، ابن سعود، امان اللہ، نادر خاں سے بہتر نامۂ اعمال کوئی بتلا سکتا ہے۔ مگر مسلمان اِن سے بھی پورے طور پر خوش نہیں اور کسی نہ کسی بہانے اُن سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں، نہیں اورنگ زیبؒ اور ناصر الدین محمودؒ ہندوستان کے مطلق بادشاہ تھے، اُن پر اس آسمان کی چھت کے نیچے کوئی انسان حکمران نہ تھا، دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں کسی ایک بادشاہ کی مثال ہرگز موجود نہیں جس نے تخت پر بیٹھکر تمام عمر پیٹ کے لیۓ مزدوری کی ہو مگر یہ بے مثال انسان قرآن لکھ لکھ کر اور ٹوپیاں کاڑھ کاڑھ کر نفس کو پالتے رہے۔ اس جانگداز صبر اور خوف خدا کے باوجود مسلمانوں کے ہاں اورنگ زیبؒ صرف اورنگ زیبؒ اور ناصر الدینؒ صرف ناصر الدینؒ ہی ہے۔ اَور قوموں میں ہوتے تو نہ جانے آج کیا بنے ہوتے!

نام کی قسم[1] کھاتے ہیں، لیکن مسلمانوں کے ہاں اُن کو صرف اُنکے کیے کی اُجرت ہے اور بس۔ ابھی ابھی سلطان خاں نے دنیا کے بڑے بڑے کھلاڑیوں کو شطرنج میں مات دی ہے، امرت سر کے پہلوان غلام نے دنیا کے سب سے بڑے پہلوان زبسکو کو دو منٹ میں پچھاڑا ہے، حیدرآباد دکن کا ایک طالب علم تیراک نذیر احمد کم سے کم مدت میں پینتالیس میل چوڑے سمندر میں تیرا ہے لیکن عام لوگ تو درکنار، مسلمانوں کے "تہذیب یافتہ" اور یورپ کے رنگ میں رنگے ہوئے طبقے کو بھی اُنکے کارناموں کی طرف توجہ نہیں۔ پیر اور سجادہ نشین مسلمانوں کے اندر اگر چند لمحوں کے لیئے اپنے گرد رونق لگاتے رہے ہیں تو صرف خدا کے زور پر، اور اس لیئے کہ خلقت کو خیال تھا کہ وہ خدا اور قوم کے ہیں۔ اس کے ماسوا مسلمانوں نے روز اوّل سے اپنے بڑے سے بڑے آدمیوں کو تقدس اور عزت کا وہ درجہ ہرگز نہیں دیا جو اور آدم پرست قومیں اپنے معمولی رہنماؤں کو بلا تامل دے دیتی ہیں۔

ہمدرد۔ میں جناب کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے ایک نئے نقطۂ نظر سے مسلمانوں کی ایک مشہور بُرائی کو خوبی دکھلا کر سمجھنے اور سوچنے کا موقع دیا لیکن کیا ایسی ناموافق اور سخت سرزمین اور اس قدر مخالف آب و ہوا میں کوئی شخص، کوئی ہنر، کوئی محنت، یا کوئی بات سرسبز ہو سکتی ہے اور کیا مسلمانوں کا یہ بخل ہر دنیا دار بلکہ ہر ذہانت، علم، اور فن کے لیئے زہر قاتل سے بدتر نہیں۔ اس تلخ حقیقت کو (کیونکہ جناب کی تشریح کے بعد اسکو حقیقت ہی سمجھنا چاہیئے) نگل جانا اور مزیدار سمجھنا میرے چھوٹے سے حوصلے اور تھوڑے سے علم کی طاقت میں نہیں۔ جناب نے خود بھی اگر مجھے ٹھیک یاد ہو کہا تھا کہ مسلمانوں کا یہ طرز عمل کئی ایک جواہر ریزوں کی راہ کو روک دیتا ہے۔

[1] انگلستان کے ایک ناول نویس ڈکنز کے نام کی قسم عام انگریزی بول چال میں رائج ہے ۱۲

قطعاً اُس توحید اور لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کی روح ہے جو ہیرے اور موتی بنکر چمک رہی ہے، اسمیں اُس مقدس شراب کی جھلک ہی جو ساقی یثرب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم کو پلاکر سب کو ایک دوسرے کے بندے نہیں بلکہ صرف خدا کے بندے بنا دیا تھا۔ مسلمان جیساکہ میں نے پہلے بھی کہا ہے سیاسی عروج کے زمانے میں اصولاً اور مذہباً، اور آج اِس زوال کے زمانے میں جہالت، بدنیتی، یا اوروں کی دیکھا دیکھی سے اِس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ اُسکی بندگی کسی معنوں میں ایسے شخص سے ہو جو شکل صورت میں صرف انسان ہے، وہ جب تک اُس انسان میں خدا نہ دیکھ لے اُسکا غلام نہیں بنتا۔ یہی وجہ ہے کہ بڑی سے بڑی خدمت لینے کے بعد بھی وہ اُس کا بُت تراش کر اپنے پاس نہیں رکھتا، اسکی تصویر کو اپنے گھر میں لٹکانا بُت پرستی سمجھتا ہے بلکہ ایسی عزت سے اسکی طبیعت کا لگاؤ ہی نہیں۔ اُسکے نزدیک جو شخص قوم کی خدمت کر رہا ہے وہ دراصل خدا سے اُجرت لے رہا ہے اور خدا کا نوکر ہے اور اگر کوئی شخص خدا کا نہیں، خدا اُسمیں نہیں، یا بندوں سے اُجرت مانگتا ہے تو مسلمان کے نزدیک وہ کسی کا نہیں، خدا ربّ العٰلمین ہے، مسلمان چاہتا ہے کہ اُس کا سردار اور رہنما بھی ربّ القوم ہو۔ وہ آپ ایک ہزار بُتوں کی پرستش آج کرتا ہو، اولاد کا غلام ہو، دولت کا بندہ ہو، گناہوں میں پھنسا ہو مگر اس بدبختی کے باوجود وہ چاہتا ہے کہ اسکو رستہ دکھلانے والا بالکل بے عیب ہو۔ اور قوموں کے اندر، پہلوان، کھلاڑی، کارٹونسٹ، شاطر، مسخرے، ظریف، گانے اور ناچنے والی عورتیں، بازیگر، تماشہ کرنیوالے ناول نویس، سادھو، راہب، مصنّف، ایڈیٹر، الغرض ہر پیشہ کے لوگ اپنے گرد ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کا ہجوم پیدا کر سکتے ہیں، قرنوں اور صدیوں تک لوگ اُن کو اپنا ہیرو اور بطل بنائے رکھتے ہیں اُن سے الہام لیتے ہیں، اُن کی تصویروں کو لٹکاتے ہیں، اُن کی سالگرہیں کرتے ہیں، اُن کے

اور سنگسازوں کا اُسوقت اپنے گھروں سے نکلنا ثابت تھا اور اپنی بات بنائے نہ بنتی تھی، بہرنوع اس ناقدر شناسی کی سزا ضرور ملنی چاہیئے تھی۔ شیطانی قوم کے اس شیطانی جھوٹ کو اب اسقدر فروغ ضرور ہے کہ "علمی حلقوں" میں روضۂ ممتاز محل کی تعمیر کا اٹلی کے معماروں کیطرف منسوب ہونا "تاریخی نظریہ" ہے اور عجب نہیں کہ کل کو کلکتہ کے "بلیک ہول" کی کہانی کی طرح جو اَب سرتاپا جھوٹ اور انگریزوں کی ایجاد ثابت ہوچکی ہے یہ نظریہ بھی "تاریخی حقیقت" بن کر بچوں کے یاد کرنیکے لیئے داخل درس ہوجائے۔ ابھی چند روز ہوئے مَیں جہانگیرؒ کے مقبرے میں تھا۔ مجاور نے جو ایک دردمند شخص ہے پوچھا "کیوں صاحب یہ کیا بات ہی بہت سے انگریز جو زیارت کے لیئے آتے ہیں مجھے کہتے ہیں "وَل یہ اٹلی والے لوگ نے بنایا ہے۔ ہندوستانی والا لوگ ایسا بناتا نہیں سکتا"۔ میں قبر پر بیٹھا اُس ایک ڈیڑھ فٹ حاشیہ کی مرمت کو جو انگریزوں نے کی تھی نفرت کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس مختصر حاشیئے میں دو باریک دھاریاں سیاہ پتھر کی اور اُنکے بیچوں بیچ زرد پتھر کی پتلی دھاری چلی آتی تھی، انگریز انجنیر میں اس جانکاہ نفاست کی برداشت کہاں تھی۔ سلیٹی پتھر کو تینوں دھاریوں کے برابر موٹا کاٹ کر چونہ سے ٹھونس دیا، میں نے مجاور سے کہا بھائی! تم بھی غلاف اٹھاکر ان ماں کے بیٹوں کو کہدیا کرو" حجور یہ فٹ حاشیہ ضرور اٹلی والوں کا ہے، دیکھئے کیا کاریگری ہے، ہمارا کالا لوگ ایسا بناتا نہیں سکتا"!

مصنّف ۔ آپ نے مجھے ٹھیک نہیں سمجھا۔ اگر کوئی شئے سرسبز نہ ہوسکتی تو مسلمان ابتدائے اسلام سے ہی عروج اور ترقی کی اسقدر بلند منزلوں پر اس قدر جلد نہ چڑھتے ، اور اگر اتفاقاً چڑھ بھی گئے تھے تو سینکڑوں برس تک اپنی دنیاوی اور مادّی ترقی کو برقرار نہ رکھ سکتے ۔ اُنہوں نے دنیاوی کاروبار کے ہر محکمے میں وُہ وہ ترقیاں اور علوم و فنون میں وہ عجیب و غریب ایجادیں کیں کہ دنیا کی کوئی قوم تنہا انکی برابری کا دعوٰے نہیں کرسکتی ۔ میرا مقصود اور ہے اور اسکی تشریح شائد اس طرح ہوسکے ۔ آگرہ کا 'تاج محل' مسلمانوں کی بنائی ہوئی وہ عمارت ہی جسکو دیکھکر دنیا کی ہر قوم کا پرکھنے والا دنگ رہ جاتا ہے ، مُنہ میں تنکا لیکر کھڑا ، اور گھنٹوں تک بُت بنا رہتا ہے ، امریکہ کی نازنین عورتوں نے وہاں کھڑے ہوکر مرنے کی آرزو کی ہے ۔ جہانتک مجھے یاد ہے 'تاج محل' کی عین پیشانی پر اُس بے مثال معمار کا نام بھی کہیں ضرور لکھا ہے جس کی تجویز اور نگرانی میں وہ تعمیر ہوا تھا ، یا فرض کرو کہ لکھا نہیں تو کیا فنِ تعمیر کے متعلق کوئی کاریگری ، کوئی ہنر ، کوئی قابلیت ایسی تھی جو اُسوقت کے مسلمانوں نے نہ سیکھی ہو اور اسمیں اصلی کمال حاصل نہ کیا ہو ؟ اگر یہی مرمر کا فردوس گر معمار انگریزوں میں یا کسی اور قوم میں ہوتا تو نیوٹن سے بہتر حساب دان ، ملٹن سے بہتر فناعِ نظر ، ریمبرنٹ سے بہتر مصورِ حُسن ، بائرن سے بہتر عشق شناس ، ڈارون سے بہتر حیالوسٹ ، رین سے بہتر انجنیئر ، اور نہ جانے اور کیا کیا ہوتا لیکن مسلمانوں نے اُسوقت بھی اس شخص کو اپنے بڑے سے بڑے آدمیوں میں شمار نہ کیا اور نہ آج جب کہ اُسکے فنِ لطیف کی فضیلت ہر شخص پر ثابت ہوچکی ہی مسلمان اسکا نام تک جانتے ہیں بلکہ میں خود شرمندہ ہوں کہ آگرہ کو دو دفعہ دیکھا مجھے بھی نام یاد نہیں ! انگریز چونکہ اکثر معاملوں میں بدنیّت ہیں اور اپنی اور اسلامی تاریخ لکھنے میں بالخصوص ، اُنہوں نے چاہا کہ اس فضیلت کو جو یورپ کو غالباً خواب میں بھی حاصل نہ ہوسکے اٹلی کی طرف منسوب کردیں کیونکہ اٹلی کے چند بُت تراشوں

اپنا مقولہ ہے کہ جس نے بندوں کی قدر نہیں کی اُس نے درحقیقت خدا کی قدر نہیں کی : (مَنْ لَّمْ یَشْکُرُ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرُ اللّٰہَ)۔ جناب نے اِس اعتراض کا بھی کہ مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل کئی ایک جواہر ریزوں کی راہ روک دیتا ہے کوئی جواب نہیں دیا۔

مصنف۔ میں "تن کرہ" کی ایک سطر اور ایک حرف کو بھی دس سال کے مزید تجربے اور مطالعے اور مغربی اور اسلامی ملکوں میں ایک اور سفر کے باوجود بدلنا نہیں چاہتا۔ میں بھی ذرا بھر بدلا نہیں ہوں اور نہ ایک انچ اُس جگہ سے ہٹنا چاہتا ہوں جو دس برس پہلے اختیار کی تھی۔ نہیں بلکہ اکثر اوقات میں دل میں خدائے بے مثال کا کمال شکریہ ادا کرتا ہوں کہ کم علمی کے باوجود مجھے ایسی سچائی کو ظاہر کرنے کی توفیق عطا کی جو آج درست ہی اور انشاء اللہ العزیز کل بھی اُسی قدر درست رہے گی۔ "تن کرہ" ایک مستقل حقیقت ہی، اور میری سمجھ میں جس لڑی کو آپ نے چھیڑا ہے اُسی زنجیر کی ایک کڑی ہے۔ آپ نے اعتراف کیا ہے کہ میری کتاب کو پہلی بار پڑھ کر آپ حیران سے ہوگئے تھے لیکن زیادہ سوچ بچار کے بعد آپ کو ماننا پڑا۔ اب بھی آپ مَن جائینگے لیکن کچھ تکلیف کے بعد۔ مَیں عام طور پر بحث نہیں کرتا لیکن دل کا درد ظاہر کرکے آپ نے مجھے اپنا دوست بنا لیا ہے اور آپ کا غصّہ اِس سے بھلا معلوم ہوتا ہے کہ اِن باتوں کو خوشامد یا لحاظ سے مان لیتے۔ مزید تشریح میں اگر مسلمانوں کے اِس عجیب و غریب اخلاق کی اَور مثالیں پیش کردوں تو آپ اَور چڑ جائیں گے اور جو رنج آپ کے دل پر ہوگا اُس بات کو نہیں دیکھ سکے گا جو میں آپ کو دکھلانا چاہتا ہوں، اسلیئے اسی تاج محل کی مثال کو پھر لیتا ہوں۔ ایک فلسفی نے بجا طور پر کہا ہے کہ اگر کسی قوم کے اخلاق کی ہُو بہُو اور زندہ تصویر دیکھنا چاہو تو اُسکے فنِ تعمیر میں مطالعہ کرو۔ اگر یہ محاکمہ درست ہی جیسا کہ میرے نزدیک قطعًا ہے تو شاہ جہاںؒ کے عہد تک قومی

چوتھا باب

مسلمانوں میں کیسا رہ نماقبول ہوسکتا ہے

ہمدرد۔ جناب آپ نے مرہم کی بجائے دلوں پر کاری اور آخری چوٹ لگائی ہے معاف رکھیں مجھ میں ایسی بدبخت اور نااہل قوم کے عیبوں کو خوبی کے رنگ میں سننے کی سکت نہیں رہی۔ میرا سینہ زخمی ہوگیا ہے۔ یہ سب گناہ جو اس قوم نے کیئے ہرگز معافی کے قابل نہیں اور یقیناً آج انہی جرموں کے بدلے مسلمانوں کو دردناک سزا مل رہی ہے۔ اگر مسلمانوں میں روزِ اوّل سے یہ بدعادت نہ ہوتی تو نہ جانے آج کیا کیا افلاطون، ارسطو، اور نیوٹن ہم میں پیدا ہوتے۔ آپنے تذکرہ میں جہاں جہاں مسلمانوں کو غیر فانی الفاظ میں سختی سے اُن کے گناہوں پر ملامت کی ہے، اور جو جو علاج ان عیوب کا پیش کیا ہے ہم اسکو بے چون وچرا تسلیم کرتے، بلکہ آپ کا قوم پر احسان مانتے ہیں لیکن آج کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بالکل بدل گئے ہیں۔ تذکرہ کی روشن حقیقتوں کو جس نے قوم کی آنکھیں کھول دی ہیں آپ نے پس پشت ڈال دیا۔ آپ کے دلائل ناقابلِ ردّ ہیں۔ مَیں تذکرہ کو پہلی بار پڑھکر بھی متحیر سا ہوگیا تھا کہ الٰہی! کیا معاملہ ہے لیکن جب غور سے دیکھا تو ماننے کے بغیر چارہ نہ تھا۔ لیکن آپ کی دلیلوں کے لاجواب ہونے کے باوجود مَیں اس بات کو مزید تشریح کے بغیر ماننے کے لیئے تیار نہیں کہ مسلمانوں کا یہ قومی اخلاق، قدیمی ہی سہی، قابل ملامت نہیں۔ آدم پرستی ان معنوں میں جسپر بحث ہورہی ہے کیا بُری شئے ہے، دراصل یہ خدا پرستی ہے اور مسلمانوں کا

یہ کر دکھایا بلکہ انگریزوں کو مجبور کردیا کہ وہ بھی اپنی بساط کے موافق کریں، لیکن ان کا معماروں کو بُت نہ بنانا قابلِ ملامت نہیں - یہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے بلند حوصلہ ہونے کی دلیل ہے کہ لاٹھ اور محل دونوں قوم اور قوم کے بادشاہوں کی طرف منسوب ہیں، انگریزوں کی طرح معمار کی طرف نہیں۔ اصل مقصود جس سے مجھے آپ اپنے جوش میں بہت پرے لے گئے ہیں یہ ہے کہ مسلمانوں میں صرف سچے، بے نفس اور باخدا شخص کا گذارہ ہے، منافق، ریاکار، خودغرض اور نفس پسند آدمی کا کچھ گذارہ نہیں۔ جو شخص قوم کو آلۂ کار بناکر اپنی غرض حاصل کرنا چاہتا ہے، یا اُسکو کوئی ذاتی نفع پیش نظر ہے ہر مسلمان اُسکو کبھی قبول نہیں کر سکتے۔ اور بے غرض انسان چونکہ کم ملتے ہیں اسلیئے مسلمانوں کی اپنے بُرے یا بھلے رہنماؤں سے عام بے رُخی بھی اُسی اصلی اور بے لاگ توحید کا ایک منظر ہے جو کبھی اُن میں سچ مچ تھی اور آج بالکل پائی نہیں جاتی۔ تاہم اُس شخص کو جو اُنکی رہنمائی کا دعوےٰ کر رہا ہے تنقید کی نظر سے دیکھنا، اسپر بجا نکتہ چینی کرنے کا حق رکھنا، یا سختی سے امتحان لیکر اُسکو ماننا وہ قومی اخلاق ہے جو مسلمانوں میں قدیمی ہے اور بیشک عمدہ خاصیت ہے۔ اور یہ اسلیئے ہے کہ مسلمان خدا کے سوا کسی گوشت پوست کو اُس وقت تک نہیں مانتے جب تک اُسمیں خدا نہ دیکھ لیں، وہ مذہبًا بلکہ از روئے عادت آدم پرست نہیں اور مغربی قوموں کی طرح ہر بھانڈ اور مسخرے کو بڑا آدمی نہیں بنا دیتے۔ دنیادار یا غرضمند شخص مسلمانوں سے صرف اُسیقدر لے سکتا ہے جو دنیاوی اجرت کو پیش نظر رکھکر اُس کا حق ہے، اور وہ بھی اَور قوموں کے بالمقابل بہت کم ہے مسلمانوں کی یہ سختی اُن چھوٹے موٹے اور بے حقیقت رہنماؤں کے لیئے بھی یکسر موت کا پیغام ہے جو ہر قوم میں اپنی اغراض حاصل کرنیکے لیئے گندم نما جو فروشی کرتے رہتے ہیں اور بڑا بننے کی خاطر قوم کو کھلونا بناتے ہیں۔ ایسے اشخاص لاکھ جتن کریں مسلمانوں میں ہرگز سرسبز نہیں ہوسکتے۔ یہ درست ہے کہ ایسا سلوک کئی ایک

حیثیت سے مسلمانوں کے اندر کیا کیا خوبیاں نہ ہونگی۔ اُن کی حکومت میں کسقدر صحت اور علم، کسقدر دولت اور امن، کسقدر سلامت روی اور محنت، کسقدر مضبوطی اور باقاعدگی، کسقدر حسن اور بلند خیالی کس قدر توازن اور عدل، کسقدر بلند ہمتی اور فراخی، کسقدر عظمت اور جلال، الغرض کسقدر کمال پیدا نہ ہوا ہوگا۔ نہیں اُس قوم میں کسقدر عزتِ نفس اور خودداری ہوگی جسنے تاج محل کو بیمثال بنانے کا خیال ایجاد کیا۔ حکومت کے ایک بڑے خوشامدی نے مسلمان ہوکر ابھی ابھی ایک بڑے مجمع میں مسلمانوں کو کہا کہ ہم نے عزتِ نفس انگریزوں سے سیکھی، اس سے پہلے ہم نہایت ذلیل تھے۔ میں نے دل میں کہا کہ اس ذلیل کو اپنی تاریخ کا علم نہیں ورنہ خوشامد میں کم از کم یہ بات کبھی نہ کہتا۔ مدرسوں میں پڑھائی ہوئی تاریخوں کو آگ لگائیے، انگریزوں نے نئی دھلی میں اپنی عمارتوں کی نقل کرنی چاہی ہے اور آج دیکھئے انگریزوں میں کیا کچھ ہے! 'تاج محل' کے نام کو سنکر آپ پر رقت طاری ہوگئی تھی معلوم ہوتا ہے کہ آپنے اس دنیا کے جنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو مسلمانوں کے ہاں اسکے معمار کی صحیح قدر نہ ہونے پر آپ کو غصہ ہے۔ اگر یہی معاملہ ہے تو ہندوؤں نے بھی اشوک کی لاٹھ کے ڈھالنے والے لوہار کی، جس پر دو ہزار برس سے زنگار کیا لکیر تک نہیں پڑی، کچھ قدر نہ کی، اتنی بڑی لاٹھ کو سیدھا گاڑنے والے کی کچھ قدر نہ کی جسپر دنیا دنگ ہی، اُن حیرت انگیز عمارتوں اور مندروں کے بنانے والوں کی قدر نہ کی جو غاروں اور پہاڑوں کے اندر سے کھودے گئے تھے اور جنپر آج تک عقل حیران ہے، حالانکہ ہندو مشہور آدم پرست قوم ہیں اور اوتاروں، رشیوں اور دیوتاؤں کی اُن کے ہاں انتہا نہیں۔ اب آپ کا غصہ شائد پنڈت صاحب پر ہوگا، لیکن نہیں آپ اصل مقصود کو گڈ مڈ نہ کریں۔ میرے نزدیک اگر اشوک اپنی لاٹھ اور مسلمان 'تاج محل' کو بنا کر آئندہ نسلوں کے لیئے اپنی سطوت، قوت، علم، اور خلاق کی تصویر پیش نہ کرجاتے تو وہ ضرور قابل ملامت تھے۔ اُنھوں نے

بن سکتے ہیں، کام کی اُجرت بھی خدا ہی سے مانگ سکتے ہیں، اُجرت اور عظمت کا ذکر اسلام میں اکثر نہیں، اُمّت کے پاس صرف "جزاک اللہ" کے الفاظ ہیں۔ جس قدر بستگی اور بندگی خدا سے ہوئی یا جس قدر طاقتور عمل کیا اُسی قدر اجر خدا سے لیلیا۔ اسی قطع کی باتیں ایک دوسری جگہ ہورہی تھیں اور مجھ سے شدید اختلاف تھا، سب قوم کو کوس رہے تھے۔ ایک مایوس رہنما صاحب بھی موجود تھے اُنہوں نے جوش میں کہا صاحب! اس قوم پر خدا کی مار، ہم نے اتنے برس تک وہ ایثار کیا جسکی مثال نہیں، ہم نے یہ قربانی کی، اُس مصیبت میں پڑے، لیکن نہ قوم نے قدر کی نہ کچھ ہم سے بن سکا، یہ بتلائیے مجھ میں کیا قصور تھا کہ نہ بن سکا۔ میں نے کہا حضرت! اتنی مصیبتوں میں پڑنے کی ضرورت نہ تھی، آپ اُجرت نہ ملنے پر کوستے ہیں، اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی مصیبتیں قوم کے لیئے نہ تھیں اپنے نفس کیلئے تھیں کیونکہ قدر نہ ہونے کی شکایت کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ نفس کچھ معاوضہ مانگتا تھا۔ مجھے آپ مالک زمین و آسمان کو حاضر ناظر اور سامنے کھڑا ہوا سمجھکر اسقدر بتا دیجئے کہ کیا اس تمام بھاگ دوڑ میں جو آپ نے کی آپ کا دل کچھ عوض مانگتا تھا۔ میرے دوست تھوڑی دیر کے لیئے میری صاف گوئی پر کھسیانے ہوئے لیکن چونکہ حق پسند تھے اور میری آواز میں سچائی تھی، یکدم اُٹھے اور جوش سے بھرے ہوئے مجمع میں گلے لپٹ گئے! میں نے کہا صاحب! ایک فلسفی نے کہا ہے کہ جھوٹا آدمی اینٹوں کا گھر بھی نہیں بنا سکتا، پھر ظاہر ہے کہ میں یا آپ اس صورت میں کیا بنا سکتے؟

جواہر پاروں اور عُمدہ قابلیت کے لوگوں کی راہ روک دیتا ہے جیسا کہ میں نے خود کہا تھا لیکن ان تمام سختیوں کے باوجود مسلمانوں میں ہر قطع کے آدمی پیدا ہوتے رہے اور کثرت سے اس وجہ سے ہوئے کہ دنیا طلب کر کے اسمیں کمال حاصل کرنا بھی مسلمانوں کے نزدیک مذہب اسلام کا ایک جُزر رہا ہے۔ میرا مسلمانوں کو یہ سبق دینا کہ تم شخص پرست نہیں ہو، تم میں اَور قوموں کیطرح اپنے بہادروں کی پوجا نہیں، تمہیں چھوٹوں کو بڑا بنانے کا ڈھنگ نہیں آتا، تم میں اَوروں کو دیکھکر غیرت نہیں آتی، تم میں یہ نہیں رہا، تم میں وہ نہیں رہا، دراصل اُس توحید کی روح کو کچلنا ہے جو مسلمانوں میں دینی حمیت یا کم از کم اسلام کے لگاؤ سے ہی اگرچہ آج جو کچھ وہ کر رہے ہیں دینی غیرت سے اکثر نہیں بلکہ حسد بغض اور بدنیتی سے ہی۔ مسلمان کا لگاؤ براہِ راست خدا سے ہی اور اسلام میں شخصی وسیلہ قطعاً نہیں، یہ وجہ ہے کہ اس قوم نے جب جب ترقی کی اپنے سعی و عمل پر کی، دست و بازو کے زور پر کی، خدا سے براہِ راست لگاؤ پیدا کر کے کی شخصی فضیلت اور توسل کے زور پر جو فرقے اسلام میں پیدا ہوتے رہے اکثر بیکار رہے، بے ہمّت اور بے طاقت رہے، انکی طرف امت نے کوئی توجہ نہ کی، وہ گوشوں میں الگ ہو کر بیٹھ گئے اور اسلام کو ایک قدم آگے نہ بڑھا سکے۔ اسلام کا اُبھار اسی میں ہے کہ اس میں ہر شخص کے لیۓ کھلا میدان ہے، اُسکا کھلا اور آزادانہ امتحان ہے، اُسپر کھلی اور بے پروا نظر ہے، اسکو عمل کے ہر مرحلے پر صرف بندگی کا درجہ اور صرف بندہ بن جانے کی بزرگی ہے، خدا بن جانے یا خدا کا اوتار بن جانے کی بزرگی کہیں بھی نہیں۔ نہیں بلکہ اسلام کا نبیؐ بھی خاتم النبیین ہے، ختم المرسلین ہے، رحمۃ للعالمین ہے، اسلیۓ مسلمان کے لیۓ اب کسی نبی یا رسول یا ولی یا رحمت بن جانے کی گنجائش بھی باقی نہیں رہی۔ سب کے سب نرے بندے اور نرے عامل بن سکتے ہیں، مساوی طور پر کارکن اور خادم اسلام

مجھے اِن دونوں فیصلوں میں کلام ہے ، بلکہ اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ دونوں ٹھیک نہیں اور جو نتیجہ اُن سے نکل سکتا ہے معاف کریں گمراہ کن اور نقصان دِہ ہے ۔ اگر آپ اُن تمام دلائل سے جو میں نے پیش کی ہیں یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ قصور رہنماؤں کا ہے تو لازماً یہ سمجھا جائے گا کہ قوم درست ہے، اِس میں اصلاح کی گنجائش نہیں، بلکہ اب قوم کیلئے ماسوا اسکے کوئی کام یا فرض نہیں رہا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر صحیح رہنماؤں کا انتظار کرتی رہے ۔ اِس پوست کندہ حالت میں یہ فیصلہ آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ کسقدر غلط ہے کیونکہ اگر قوم درست ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ رہنما جو اُسی قوم کے افراد اور اُس کا جزو ہوتے ہیں اُسمیں سے درست نہ نکلتے ۔ آپ کہیں گے کہ میں پھر کر آخر اُسی نتیجے پر پہنچ گیا ہوں جو آپ نے مضبوطی سے شروع میں اختیار کیا تھا ، اور اگر صبح کا بھُولا شام کو گھر آجائے تو اُسکو بھُولا نہیں کہتے ۔ لیکن جناب ! میں بھُولا گھر واپس نہیں آیا بلکہ منزل مقصود کو ہاتھ لگا کر اور اُسمیں اپنا سامان رکھکر پھر اس ارادے سے گھر واپس آیا ہوں کہ اَور سامان لیجا کر اُس منزلِ مقصود پر مستقل قبضہ کروں ۔ "رہنماؤں میں کسر اسلیئے ہے کہ قوم درست نہیں"۔ اور "قوم اسلیئے درست نہیں ہوتی کہ رہنما خراب ہیں"۔ یہ دونوں محاکمے اگرچہ ظاہر میں ملکر ایک معمّا معلوم ہوتے ہیں مگر حرف بحرف درست ہیں ۔ یہ سب اسلیئے کہ قوم کا رہنما کہیں آسمان سے نہیں اُترتا بلکہ اُنہی میں کا ایک ہوتا ہے ، البتہ وہ اِس دعوے کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے کہ مجھ میں اِن تمام لوگوں کو سفر کی تکلیفوں سے گذار کر منزل مقصود تک پہنچانے کی لیاقت موجود ہے ۔ ایسے شخص کے لیئے لازم ہے کہ اپنے اندر سفر کی تکلیفوں کو بدرجۂ اُولیٰ برداشت کرنے کی قوت ثابت کردے ، لعینہٖ وہ تحمّل اور استقلال اُسمیں ہو جو اَوروں میں ہر لحظہ دیکھنا چاہتا ہے ، وہ قربانی اور فرمانبرداری کئی گنا ہو جس کا قوم کے ایک ایک فرد سے امیدوار ہے ، وہ حرکت اور نظم و نسق

پانچواں باب

رہ نما پیدا کرنے کی ذمّہ داری قوم پر ہے

ہمدرد۔ جناب! ہم آپ کے نہایت شکر گذار ہیں کہ آپنے قوم کے فلسفۂ حسیّات کو اِس قدر کھول کر بیان کیا۔ میں حقیقت میں ایک غلط راستے پر تھا۔ جناب سے پچھلی گستاخیوں کی بلا شرط معافی مانگتا ہوں۔ جناب نے فلسفی کا حوالہ دیا تو مجھے قرآن کریم میں کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ فوراً یاد آ گیا، اور اسکے معنی اب بالکل صاف ہو گئے کہ سچّوں کا ساتھ دیا کرو۔ اگر مسلمان آج اپنے رہ نماؤں کا ساتھ نہیں دیتے تو اسلیئے کہ بہت سے اُن معنوں میں سچے نہیں جو آپنے بیان کیئے ہیں۔ بہرنوع اِس خاص شق میں جو جناب نے بیان فرمائی قوم کا قصور نہیں بلکہ رہنماؤں میں کسر ہے۔ رہ نما سچے اور بے لاگ ہوں تو قوم اُن کی کیوں قدر نہ کرے، اُن کو کیوں پروان نہ چڑھائے۔ ایک بات دیر سے دل میں کھٹک رہی تھی، ڈر ہے کہ بھول نہ جاؤں اور پھر خلجان رہے، اسلیئے عرض کیئے دیتا ہوں۔ جناب نے اگر مجھے ٹھیک یاد ہے دو دفعہ اُس اعرابی کو بدبخت کہا جس نے حضرت عمرؓ کو چادروں کی تقسیم پر ٹوکا تھا۔ یہ کس لیئے تھا؟

مصنّف۔ ٹھیریئے! اب آپ ایک سرے کو چھوڑ کر دوسرے سرے کی طرف جا رہے ہیں۔ آپنے دو فیصلے کیئے ہیں، اوّل یہ کہ قوم کا قصور نہیں بلکہ رہنماؤں میں کسر ہے، دوسرا یہ کہ رہنما سچے اور بے لاگ ہوں تو قوم اُن کی کیوں قدر نہ کرے، اُن کو کیوں پروان نہ چڑھائے

پیدا ہوتے ہیں اور قوم بعد میں بنتی ہے بلکہ رہنما ہی قوموں کو بنایا کرتے ہیں۔ آپ نے بتایا کہ پہلے قوم خود رہنما کو بناتی ہے اور پھر رہنما اُس قوم بناتا ہے۔ یہ نکتہ اب بالکل واضح ہے، لیکن اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ عرب قوم میں کونسی صلاحیت باقی تھی جو پیغمبر اسلام کا ظہور ہوا۔

مصنّف ۔ اِسکے متعلق پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں اور خیال تھا کہ آپ مجھے اُسی جگہ آگے نہ بڑھنے دینگے لیکن آپ نے توجہ نہ کی۔ عرب قوم میں پُوری صلاحیت موجود تھی اسلیئے عرب پیغمبرؐ کا ظہور ہوا۔ اِس قوم کے اُسوقت کے اوصاف اگر تفصیل سے بیان کروں تو بحث کا ایک نیا اور وسیع میدان کھُل جائے گا اور اصلی بات رہ جائے گی مختصر یہ کہ بعض اسلامی مورخوں نے شاعری کے رنگ میں جو سیاہ تصویر اُس زمانے کی کھینچی ہے وہ اگر عقیدت مندانہ اور مذہب سے محبت کے باعث نہ بھی ہو تو یک طرفہ ضرور ہے۔ بلند پایہ کے مورخ مثلاً طبری، ابن جریر، ابن خلدون وغیرہم نے بلکہ بعض متکلمین نے بھی جہاں اس امر کا اظہار کیا ہے کہ عرب طرح طرح کی سیاہ کاریوں میں مبتلا تھے، انکی قوم میں بعض بد اخلاقیاں بدرجۂ نہایت پہنچ چکی تھیں، اُنکی معاشرت میں بعض خطرناک بیماریاں گھر کر گئی تھیں وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اُن میں انتہائی ترقی کے اوصاف بدرجہ کمال موجود تھے خود قبائل کی داخلی حکومت کی روایتوں نے شخصی زندگی کو اس قدر مقیّد بلکہ منظّم کر دیا تھا کہ رسم و رواج کی پابندی اور سردار کی اطاعت بدّو عرب کا نمایاں وصف تھا۔ اُنکی آزادی کی روح، اُنکی بے دھڑک بہادری، اُن کا اپنوں پر فخر، اُن کی عورتوں کی حمایت، اُن کا قومی غرور، اُنکی تکلیف برداشت کرنے کی اَن تھک قابلیت، اُنکی صحرائی زندگی، اُن کی سادہ معاشرت، اُنکی زود اثر طبیعت، اُن کا فقر و افلاس، بلکہ اُن کی آپس میں اَن مٹ لڑائیاں اور فساد بھی اس بات کے شاہد تھے کہ قوم میں

* دیکھو صفحہ ۱۱

اپنے میں پیدا کرے جسکو دوسروں میں پیدا کرنے کی آرزو رکھتا ہے، وہ نری سچائی، تندہی، اور دھن لگی ہو کہ پہاڑ پانی ہو کر بہ جائیں۔ آرام کرسیوں پر بیٹھ بیٹھ کر اُمّت کو ہلاکت کے پُلصراط پر سے گذار کر منزل پر پہنچانے کی توقع عبث ہے۔ جو رہنما رستے کی تکلیفوں سے خود آشنا نہیں اُس کے لئے دوسروں کو منزل تک پہنچانا عملاً ممکن نہیں۔ پس ظاہر ہے کہ جب تک قوم میں بذاتِ خود یہ تمام چیزیں نہ صرف موجود بلکہ بہتوں میں موجود نہ ہوں ایک لاکھ برس کا ہاتھ پر ہاتھ دھر کر انتظار بھی صحیح رہنما کو پیدا نہیں کر سکتا۔ قوم خود اپنے رہنما کو اپنے اندر سے بناتی ہے۔ صدہا بلکہ ہزارہا بہتر ہستیوں میں سے ایک بہترین ہستی کا انتخاب کرتی ہے اور وہی رہنما پھر قوم کو بنا دیتا ہے۔ دنیا کی تمام گذشتہ تاریخ میں یہ بات اِس قدر روشن اور واضح ہے کہ داناؤں نے قوم میں صلاحیت کا موجود ہونا اور رہنما کا پیدا ہونا ایک ہی شئے قرار دیا ہے، حتّٰی کہ اب یہ بھی ایک فیصلہ شدہ بات ہے کہ مسلمانوں میں اگر مہدیؑ کا آنا ضرور ہے تو مہدیؑ بھی یقیناً اُسی وقت پیدا ہوگا جبکہ قوم کے اندر ایسے عظیم الشان رہنما کو پیدا کرنے کی کامل صلاحیت موجود ہوگی۔ عام تخیل کہ مہدیؑ کا اُس وقت ظہور ہوگا جب کہ اسلامی اُمّت ہلاکت کے کنارے آن لگی ہوگی، اُس میں تمام صلاحیتیں ہٹ جائیں گی اور "قیامت" قریب ہوگی قوم کے بے سمجھ لوگوں کی بنائی ہوئی بات ہے۔ مہدیؑ کو دعوت دینے کیلئے قوم کا مُنہ بھی مہدیؑ جیسا ہونا چاہیئے اور اگر اُس رہنمائے اعظم کا ظہور قیامت سے دو چار دن پہلے ہی ہونا ہے تو خدا کرے ایسا مہدیؑ اور ایسا عروج ہم میں قیامت تک نہ آئے۔

ہمدرد۔ اللہ اکبر! جناب نے ایک نہایت باریک نکتے کو واضح کر کے میرے تمام بدن میں تعجب اور بے چینی کی لہر دوڑا دی ہے۔ ہمارا نقطۂ خیال اور تھا، ہم سمجھتے تھے کہ رہنما پہلے

ہونے کا باعث ہوئی جنے اپنے زورِ عمل سے دوسری نااہل قوموں کی آئندہ تاریخ کی ہیئت بدل دی۔ اس میں شک نہیں کہ پیغمبرِ خدا کا ارادہ اصلاح کے سوا کچھ نہ تھا اور عرب کفر و نفاق کے پتلے اس قدر تھے کہ قرآن نے اُن کو حدودِ خدا جاننے کا نااہل قرار دیا تھا* لیکن قرآن حکیم کی دھمکیاں کہ تم کافر ہو، تمہارے لیئے جہنّم ہے، تمہاری جڑ کاٹ کر رکھدی جائے گی، تم آگ میں اوندھے مُنہ اُلٹا دیئے جاؤ گے، تم پر دوسری قوم لاکر بٹھادی جائے گی، وغیرہ وغیرہ، صرف اس لیئے تھیں کہ اُن کی سوئی ہوئی اہلیتوں اور بے کار صفوں کو بیدار کیا جائے۔ صحیح رہنما کے اپنی قوم میں نشوونما کی مثال بعینہٖ درخت اور زمین کی ہے۔ نااہل قوم میں رہنما کا پیدا ہو کر سرسبز ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ شور زمین میں درخت کا اُگنا محال ہے۔ علم نباتات کے ماہر کے نزدیک درخت اپنی خوراک کا معقول حصّہ زمین کے علاوہ، آفتاب اور ہوا سے لیتا ہے۔ رہنما کو بھی آسمان سے وحی اور ماحول سے مدد ملتی ہے لیکن اگر قوم میں رہنما کو قبول کرنے کی اہلیّت موجود نہ ہو تو شور زمین کے ہوتے ہوئے صرف آفتاب کی کرنیں اور ہوا کے مفردات اُس درخت کو سرسبز نہیں کر سکتے۔ یہی نہیں بلکہ آفتاب اور ہوا کا کام فی الحقیقت درخت کے سربلند ہونے کے وقت شروع ہوتا ہے۔ بیج کی سوئی کو کھڑا کر کے پودے کو بڑا کرنا صرف نرم اور مناسب زمین کا کام ہے۔ دور کیوں جائیں، خود اسی ملک کے اندر ہندوؤں میں جب تک اہلیتیں روزِ روشن کیطرح واضح نہیں ہوئیں اُنکے ہاں رہنما† پیدا نہیں ہوا، اور آج جبکہ ظاہر ہو چکا ہے اس کا اثر اور تقدّس ہندو قوم کی اہلیّت سے ظاہر ہے

* اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ (ترجمہ) یہ جنگلی لوگ اَز روئے کفر و نفاق بڑے سخت ہیں اور اس قابل نہیں کہ کتاب خدا کے احکام کی حدود کو جانیں ۱۲

† اس رہنما کا نام موہن داس کرم چند گاندھی ہے ۱۲

وہ اوصاف قطعاً موجود ہیں جو صحیح استعمال سے اُس کا درجہ بلند کرنے میں مدد دے سکتے ہیں۔ مکہ
اُن کی مذہبی روایات اور معتقدات کا مرکز پہلے سے تھا، قوم کے اکثر سرداروں نے اپنی بُرائیوں کو صحیح
طور پر محسوس کرنا شروع کر دیا تھا، بڑے بڑے سربرآوردہ لوگوں کا پتھر کے بتوں کو شک کی نظروں
سے دیکھنا اِس امر کا ثبوت تھا کہ عام اصلاح کی ہوا پیدا ہو گئی تھی، خدا کا تخیل پیغمبر اسلام سے پہلے قطعاً
موجود تھا، ابوبکرؓ جیسے باعمل اور بارسوخ شخص بتوں کو چھوڑ کر خدا کی طرف کھُلم کھُلا آ چکے تھے، ایک آسمانی
رہ نما کے آنے کی ضرورت ہر طرف محسوس ہو رہی تھی، پیروں، راہبوں اور علمائے دین کا اثر لوگوں
کی اُن سے عقیدت اور محبت کا جادو روز بروز ٹوٹتا جاتا تھا۔ الغرض یہ وہ حالت تھی کہ اندھیرے
کی سیاہی کے اندر روشنی کی کرنیں بے گمان طور پر نکل رہی تھیں اور انہی کرنوں کی اِس سیاہ بادل میں
موجودگی ایک ایسے آفتاب کا پتہ دے رہی تھی جو بعد میں عالمتاب بنکر چمکا! مسلمانوں کے اندر یہ غلط
تخیل کہ عرب قوم میں ایک وصف، ایک خاصیت، ایک اہلیت باقی نہیں رہی تھی؛ اور قرآن اور
ہادیٔ اسلام کا معجزہ اُن میں آنا تھا کہ سب کا یا پلٹ گئی، مُردے قبروں سے نکل کر زندہ ہو گئے،
کسریٰ کے آتشکدوں کے مُنارے گر گئے، وغیرہ وغیرہ درحقیقت اُس فطرت اور قانون خدا کو غلط سمجھنا
ہے جسکے رُو سے ہر واقعہ اور حادثہ ہر حالت میں اپنے اسباب کے ساتھ منطقی طور پر وابستہ ہے۔ عرب کا
قرآنی ہدایت کو قبول کر کے تمدن کے آسمان پر چند برسوں میں چڑھ جانا بذات خود اِس امر کا قطعی
ثبوت ہے کہ اُس قوم کے اندر ہدایت کے آب حیات کو جذب کرنے کی اہلیت باقی تھی، نہیں وہ اہلیت
اِس قدر کامل اور بے مثال تھی کہ اُسنے نہ صرف ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، خالدؓ، مسلمؓ اور طارقؓ
جیسے بے مثال شخصوں کو چند دنوں کے اندر پیدا کیا بلکہ ایک ایسے اولوالعزم اور بے مثال نبیؐ کے ظاہر

اِس امر میں متفق ہونگے کہ جب نظام موجود نہیں تو اِس نفسا نفسی اور قیامت میں رہنما کا انتخاب کیونکر ہو سکتا ہے۔

مصنّف۔آپ نے بہت سی غور طلب باتوں کو ایک سوال میں جمع کر دیا اسلیئے علیحدہ علیحدہ جواب دوں گا۔ میں نے رہنما کو درخت سے اور قوم کو زمین سے تشبیہ دی تھی۔ تشبیہ آخر تشبیہ ہی ہے اور اسکو دور تک پہنچانا بھی اکثر اوقات ٹھیک نہیں ہوتا۔ آپنے اس کو ذرا دور کھینچا۔ زنا خوشی سے کہا ہے کہ مسلمانوں کی زمین اگرچہ نمی قبول کر سکتی ہے مگر سخت ہے اور درخت پیدا کرنے کی اہل نہیں لیکن میرے نزدیک وہی زمین عظیم الشان اور آسمان سے باتیں کرنے والا درخت پیدا کر سکتی ہے جو نمی کو قبول کرنیکے باوجود سخت رہے۔ دلدل اور لیبدار کیچڑ میں آپنے کہیں شاہ بلوط، پیپل، اور سفیدے نہ دیکھے ہوں گے۔ وہاں اکثر جو ہو سکتا ہے خودرو جنگل اور بوٹیاں ہی ہیں جن میں قیام نہیں۔ بہرنوع اِس تشبیہ سے قطع نظر مسلمانوں کے اندر اِس وقت ایک بڑی اور عظیم الشان قوم پھر بننے کی جو صلاحیتیں موجود ہیں بلکہ اصلاح کا جو موافق ماحول اِنہیں پچھلے تیس برس کے ناگوار حادثوں اور لگاتار شکستوں کے باعث خود بخود پیدا ہو گیا ہے، اِس قدر حوصلہ افزا ہے کہ اِس سے بہتر صورت میرے نزدیک آج کسی دوسری قوم میں موجود نہیں۔ یہ تشریح پھر کروں گا سردست آپ کو یہ کہنا ہے کہ صحیح رہنما پیدا کرنے کی ذمّہ داری بیشک مسلمانوں پر عاید ہے اور اُس صورت میں کہ قوم اپنے موجودہ رہنماؤں سے مایوس ہے اور اختلاف بڑھ رہا ہے صحیح رہنما پیدا کرنے کی واحد ترکیب یہ ہے کہ قوم کا ہر دردمند شخص بلکہ ہر شخص، فرداً فرداً سب سے قطع نظر کر کے اور سب کو چھوڑ کر، اپنے نفس کی اصلاح شروع کر دے یہی سچا اور اصلی نظام ہے اور اِس نظام کو دلوں میں پیدا کرنے والی بعینہ یہی نفسا نفسی در قیامت

چھٹا باب

صحیح رہنما کو پیدا کرنے کا واحد طریقہ "اصلاح نفس" ہے

ہمدرد۔ جناب کی بے انتہا نوازش ہے کہ مشکلات کو اس قدر کھلے طور پر حل کر دیا۔
اب اس تمام روئداد کو پیش نظر رکھکر جو آپنے بیان فرمائی ظاہر ہے کہ جہاں غلط رہنماؤں کا ساتھ
نہ دینے میں قوم قصوروار نہیں وہاں صحیح رہنما پیدا کرنے کی ذمہ داری مسلمانوں پر عاید ہے موجودہ مسلمانوں
کی اہلیت اور صلاحیت کے متعلق جناب والا نے اب تک ماسوا اسکے کچھ نہیں کہا کہ مسلمانوں میں سچائی
قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے اور یہ کہ رہنماؤں کے انتخاب میں سختی مسلمانوں کی مستقل خوبی
ہے مجھے معلوم نہیں کہ نری یہ دو خوبیاں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زمین اگرچہ بنی کو قبول کر سکتی ہے
مگر نہایت سخت ہے، کیونکر اُس زمین میں ایک عظیم الشان اور آسمان سے باتیں کرنے والا درخت پیدا
کر سکتی ہیں۔ میں صلاحیت کے سوال کو سردست اٹھا کر پہلے سلسلۂ کلام کو جس نے میرے دل و دماغ
میں نور کی کیفیت پیدا کر دی ہے، توڑنا نہیں چاہتا اسلیئے اسکو اپنے وقت پر ملتوی کرتا ہوں لیکن
اگر جناب کے کلام سے یہ نتیجہ درست ہو کہ صحیح رہنما پیدا کرنے کی ذمہ دار قوم ہے نیز یہ کہ قوم خود رہنما
کو بناتی ہے تو اُس صورت میں کہ نظام موجود نہیں اور جماعت تسبیح کے دانوں کی طرح بکھری ہوئی ہے
بلکہ ہر شخص اسکو اپنی طرف کھینچکر نیا اختلاف اور نئی پریشانی پیدا کرنا چاہتا ہے، صحیح رہنما کا انتخاب کیونکر
ممکن ہے یا کم از کم قوم کا ہر شخص فرداً فرداً کیا کرے کہ صحیح رہنما خود بخود ظاہر ہو۔ جناب لا یقیناً

نفس کے اندر بڑی سے بڑی اصلاح کرنیکے بغیر فرض کر لیتا ہے کہ میں ہی وہ رہنما ہوں جس کا انتظار ہے، اور بالآخر جب قوم اُسکو رد کر دیتی ہے اور مراد پوری ہوتی نظر نہیں آتی تو جھلاکر کوستا ہے یا اوروں سے اُلجھ کر قوم کو ٹکرا دیتا ہے۔ بے عملی اور عمل کی یہ دونوں صورتیں قطعًا غلط ہیں اور مسلمانوں جیسی سیاست دان اور عالمگیر قوم کے شایانِ شان ہرگز نہیں۔ رہنما بننا اور کروڑوں پر حکمران ہونا کسی شخص کے اپنے بس کی بات نہیں اور جس نے اپنے نفس کی اصلاح کی تیاری کر لی وہ کچھ بھی ہو اور آگے چل کر رہنما نہ بھی بنے مگر قوم کی بہتری بلکہ بادشاہت کی بُنیاد اُس نے ضرور رکھ دی۔ نہیں بلکہ تاریخ اِس امر کی گواہ ہے کہ دنیا کے بڑے سے بڑے قومی لیڈر اکثر وہی ہوئے جنکے رہنما بننے کا کسی کو سان گمان تک نہ تھا۔ وہ بجلی کی طرح سیاہی سے نکلے اور بادل کی طرح سب پر گھر گئے۔

ہمدرد۔ جناب والا! آپ کا کمال احسان ہے کہ قوم کی بیماری کی اصلی رگ کو پکڑ لیا، عین اس جگہ اُنگلی رکھدی جہاں سے درد نکل نکل کر بدن کو بے چین کر رہا تھا۔ رگ پاکر بتلا دیا کہ درد کا سامان یہیں پر ہے! اب یہ بات سورج کی طرح واضح ہو کہ لیڈروں کا اس کثرت سے ہونا اس قوم کا علاج نہیں ہم درحقیقت ہر شخص کو قبول کر کے اور اُسکے گرد اگرد ایک چھوٹی سی بھیڑ پیدا کر کے زمین کو دَلدل سے بدتر، اور چمن کو جنگل سے زیادہ بدنما بنا رہے ہیں۔ میں اب جناب کے اِس عظیم الشان فیصلے کی تہ کو پہنچا ہوں کہ رہنماؤں کے انتخاب میں سختی مسلمانوں کی مستقل خوبی تھی اگرچہ جناب نے کہا ہے کہ یہ خوبی اب بھی ہے۔ یہی وہ شئے دراصل تھی جس نے قوم کے اندر تیرہ سو برس تک حیرت انگیز ترقی برقرار رکھی، جس نے زندگی کے ہر شعبے میں وہ بے مثال اور چوٹی کے آدمی پیدا کیے کہ معمولی اشخاص کا اُنکے بالمقابل پہنچنا تو درکنار، دوسری قوموں میں اُن کا پاسنگ نظر نہیں آتا۔ یہ اسی نرم دار مگر سخت مین کا

کی حالت ہونی چاہیئے جس کا ذکر آپ کر رہے ہیں۔ قوم رہنما کو ایک جگہ پر جمع ہو کر اور قرعے ڈالکر انتخاب نہیں کرتی۔ اور اِسیکو غالباً آپ نظام کہتے ہیں۔ رہنما جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے خود اُسی قوم کا ایک فرد ہوگا، قدرت اُسکو ہزاروں بلکہ لاکھوں ہستیوں میں سے خود انتخاب کرے گی، وہ منتخب ہو کر لاکھوں اور کروڑوں پر حکمران ہوگا اور لاکھوں اور کروڑوں اُسکے اشارے پر چلیں گے۔ پس جبتک عمدگی اور صلاح، جبتک تکلیف اُٹھانے، مطیع بننے اور اشاروں پر چلنے کی قابلیت لاکھوں اور کروڑوں میں موجود نہ ہو قدرت کے لیئے ایسے عظیم الشان رہنما کا انتخاب کرنا محال ہے۔ کرسیوں پر بیٹھ کر اور قرعے لیکر منتخب ہونے والا رہنما لا محالہ کمزور بے بس اور یک طرفہ ہوگا، اُسکو قوم کا وہی حصہ منتخب کرے گا جو کرسیوں پر بیٹھنے کے لائق ہے، اُسکی قوت اُنہی کرسیوں تک محدود ہوگی جو اُسکے گرد جمع ہوں گی، اس کا انتخاب بھی وہی لوگ کرینگے جو رہنما کے انتظار میں اپنی اصلاح کے خیال سے کوسوں دور ہونگے، وہ آپ اپنی اصلاح سے اِسیقدر بلکہ شاید زیادہ دور ہوگا جس قدر کہ وہ لوگ جنہوں نے اِسکی دنیاوی حیثیت یا وجاہت کو دیکھکر اسکو سردار بنایا ہے۔ وہ قوم کی زمین اور قوم کی پرورش سے پیدا نہیں ہوا اور نہ قوم اس کو اپنا کہہ سکتی ہے، اور اگر ایسے دس رہنما دس مختلف جگہوں پر ظاہر ہوں تو اُن کا آپسمیں لڑ مر کر قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا لازمی امر ہے۔ ایسے رہنما کی مثال ایک خوبصورت پھولدار پودے کی ہے جو سجاوٹ کیلئے زمین سے الگ گملے میں لگا ہے، زیبائش اور آرائش کا کام بے گماں اُس سے نکل سکتا ہی مگر سایہ دار پھل دلانے اور سر بفلک درخت کی بات اسمیں ہرگز نہیں۔ مسلمانوں کی قوم میں بڑی سے بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ ہر شخص یا کسر نفسی سے یہ فرض کر لیتا ہے کہ اُسکا مصلح اور رہنما بننا محال ہے اور اس لیئے اپنی تمام اصلاح کسی آنے والے خیالی رہنما کے سپرد کر کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا ہے، یا اپنے

مشہور کُتّے کی طرح ریتی سے خون چاٹنے میں مست ہی۔قوم کے نام نہاد اخبارات اوّل تو اور قوموں کے وسائل نشر و تبلیغ کے بالمقابل صفر ہیں، اُن کو مسلمانوں کی قوّت اور تنظیم کا سرچشمہ ہونا چاہیئے تھا لیکن اُنکے کان میں کسی نے کہدیا ہے کہ پریس وہ طاقت ہی جس سے بادشاہ بھی لرزتے ہیں، اور اُن کے زعم میں یہ اشارہ اُنہی کے اخبار کی طرف ہے! اُنکے اندر جو نظام کام کررہا ہے وہ بھی بعینہٖ اُس قطع کا ہے جو دیوار بنانے اور پھونس بچھانے والی انجمنوں کا ہے؛ اُن کو دو مُسلمانوں کی لڑائی یا کسی مسلمان کی بُرائی کی بھنک مستوں کو راگ یاد دلانے کا حکم رکھتی ہے، وہ اپنی بے مثال رعونت اور رنگ برنگی سے ٹولیوں کے اندر نئی ٹولیاں پیدا کرنے، یا عزّت دار کی پگڑی اچھالنے میں مصروف ہیں اور لوہے کے طاقتور ہتھوڑوں سے قوم کو ریزہ ریزہ کرکے رہنما بننے کے خواہاں ہیں۔جناب کے اِن قومی حرکتوں سے الگ تھلگ رہنے کے متعلق مدت سے سنتا تھا اس لیئے یہ ناگوار تفصیل ضروری سمجھا۔بہر نوع اِس نادرگردی اور قیامت میں جناب کا یہ واحد علاج کہ قوم کا ہر شخص فرداً فرداً سب رہنماؤں اور موجودہ حرکتوں سے قطع تعلق کرکے اپنے نفس کی اصلاح شروع کردے بلاشبہ آسمانی الہام ہے۔اِس کے اندر جس وحدت اور یگانگت کا راز آپ دیکھ رہے ہیں مَیں بھی دیکھ رہا ہوں۔میں دیکھ رہا ہوں کہ قوم کی قوتوں کو دردناک طور پر ضائع ہونے سے بچانیکے لیئے آخری علاج یہی ہے، مجھے اِس امر کا احساس ہے کہ خودرَو جنگل اور نشو ونما کو روکنے والی بوٹیوں کو اُکھیڑ کر زمین کو رشک چمن بنانا اسی طرح پر ہو سکتا ہے، میں اندازہ کرتا ہوں کہ اس طرح پر آپ قوم کو یکسوئی اور اتفاق کا سبق دے کر کسی عظیم الشان مہدی کی آمد کے لیئے زمین تیار کردیں گے۔یہ سب کچھ درست ہی اور اُسکے اندر جو بے انتہا سیاسی اور معاشری فائدے قوم کو پہنچ سکیں گے۔ ایسے

کرشمہ تھا کہ اسمیں آسمان سے باتیں کرنے والے درخت اُگتے رہے اور اپنے سائے کے نیچے قوم کو دمبدم آباد کرتے رہے۔ لیکن موجودہ حالات بتا رہے ہیں کہ یہ خوبی اب مسلمانوں سے نکل چکی ہے۔ بلکہ اگر سچ پوچھئے تو برسات کے کیڑوں کی طرح رہنماؤں کی کثرت اور قوم کے اُن میں سے ہر ایک کے ساتھ رقیبانہ عشق کو دیکھکر، ایک نقطۂ نظر سے بعینہٖ اُن دونوں حقیقتوں میں شک ہوتا ہے جنکو جناب نے اِسقدر واضح دلائل سے ثابت کیا۔ یعنی یہ کہ مسلمانوں میں سچائی قبول کرنے کی پوری صلاحیت ہی اور مسلمان اپنے رہنماؤں کے انتخاب میں بُرے سخت ہیں۔ اگرچہ تمام قوم کو پیش نظر رکھکر یہ امر بالکل درست ہی کہ اِن بیسیوں رہنماؤں میں سے قوم نے کسی ایک کو نہیں مانا بلکہ کسی ایک کے قول کو بالاتفاق قبول نہیں کیا لیکن مسلمانوں کے صدہا فرقوں اور ٹولیوں کو دیکھکر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ رطب یابس، خشک تر، جھوٹ سچ سب کچھ قبول کرلیتے ہیں اور ادنیٰ اعلیٰ، عالم جاہل، بُرے بھلے سب کی دال اِن میں گل سکتی ہے۔ سید علیہ الرحمۃ کی کامیاب رہنمائی کے بعد لیڈری کا چسکا اِس قوم میں کچھ ایسا بے طرح لگا ہے، جلسوں اور انجمنوں، پریسیڈنٹوں اور سکرٹریوں کا مذاق قوم کی رگ رگ میں اِس طرح رچ گیا ہے کہ اب گھر کی دیوار کھڑی کرنی ہو تو ایک لیڈر، ایک کانفرنس، ایک میٹنگ، ایک پریسیڈنٹ اور ایک سکرٹری طبعًا موجود ہے۔ اور چھت پر پھونس بچھانی ہو تو ایک رہنما، ایک انجمن، ایک جلسہ، ایک صدر اور ایک معتمد فورًا حاضر ہے۔ اور اسپر طرّہ یہ کہ لیڈر اور رہنما صاحب اور پریسیڈنٹ اور صدر صاحب روئے زمین پر سے ایک دوسرے کی بیخ و بنیاد اکھیڑنے میں اِسقدر منہمک ہیں کہ دس برس کے "قومی کام" کے بعد نہ دیوار کھڑی ہوتی ہے نہ پھونس بچھتی ہے! قوم ہے کہ دونوں کے گرد نہایت شوق اور ضد سے چھوٹا سا جھمگٹا لگائے کھڑی ہے اور لوہار کے

ساتواں باب

مسلمانوں میں زوال کا عام احساس اور صلاح کی عام تڑپ موجود ہے

مصنف۔ شائستہ اور مہذب مسلمانوں سے جو مراد جناب کی ہے اُن سے امید نہ ہو مگر عام مسلمانوں سے پوری امید ہے۔ عام مسلمانوں کے اندر ایک مدت سے اِس قسم کی فرقہ بندی کے متعلق نفرت پیدا ہو چکی ہے۔ اُن میں سے بعض موجودہ رہنماؤں کی تقریروں اور آپس میں جھگڑوں یا ایک دوسرے پر کیچڑ پھینکنے کے متعلق سُنتے اور پڑھتے ہیں مگر کسی خاص طرف نہیں لگتے۔ بعض اخبارات کا مطالعہ اور فرقہ بازی کے چٹ پٹے حالات آنکھوں سے پڑھ لیتے ہیں مگر رائے پوچھنے پر مُسکرا دیتے ہیں۔ ایک معقول تعداد ایسی بھی یقیناً ہے جو ان فرقہ بندیوں میں عملی حصہ لیتی ہوئی نظر آتی ہے لیکن بہتر کام نہ ہونے یا عام مذاق کی وجہ سے مجبور ہے۔ ایک کثیر اور غالب جماعت اُن کم فرصت اور مزدور پیشہ لوگوں کی ہے جو آپس کی لڑائیوں کے متعلق کسی جھمیلے میں نہیں پڑتے اور جو بھی سامنے آجائے اُسکی جے پکارنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن اِس میں شک نہیں کہ نہ صرف عوام میں بلکہ اُن خاص مسلمانوں میں بھی جو خوب پڑھے لکھے ہیں، جو فرقہ بند اخبارات کو لا دِنا خریدتے ہیں اور قوم کی حالت پر رائے زنی کرنیکے اہل ہیں ان جھگڑوں سے سچی نفرت اور سب موجودہ جھگڑوں سے قطع تعلق کرنے کی سچی تڑپ عام ہے۔ بھتوں کے دل اِس آئے دن کے جھگڑوں اور قوم کی روز بروز کمزوری کو دیکھکر از خود بجھ چکے ہیں مگر چونکہ اُنکے سامنے کوئی مستقل تجویز

ہیں کہ اُن سے انکار نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص محبت اور ہمدردی، نیکی اور نیک خیالی کی زندہ تصویر بنکر قوم کو قوت کے آسمان پر پہنچاوے گا، ہر فرد میں زندگی کی نئی رنج ہوگی، کسی کی کسی سے کچھ دشمنی نہ رہے گی، ہر طرف سے سلام سلام کی آواز آئے گی، کسی کو کسی سے کچھ سروکار نہ ہوگا، سب آزار اور دُکھ کا ایک دم خاتمہ ہوگا۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے قوم کی اسی حالت کو بہشت[+] کہا ہے۔ اگر سب کو چھوڑ کر اور سب سے قطع نظر کر کے ہر شخص اپنے نفس کی درستی کی طرف متوجہ ہو جائے تو کیا کہنا ہے لیکن کیا اِس رہنما گردی کی حالت میں جو میں نے اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں بیان کی اور جس کا پورا تصور بدن پر رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے، جناب کے خیال میں اُرد کی سفیدی کے برابر امید ہو سکتی ہے کہ وہ ہزار در ہزار شائستہ اور مہذب مسلمان جن کا اپنے اپنے رہنماؤں کے پیچھے لگ کر ٹولیاں بناتا اور اپنی اپنی ٹولی کو جدا رکھنا اُن کا اوڑھنا بچھونا ہو چکا ہے۔ ایک لمحہ کے لیئے اِس خیال کی طرف متوجہ ہوں گے کہ سب کو چھوڑ کر اپنے نفس کی اصلاح شروع کر دیں۔

[+] بہشت آنجا کہ آزارے نباشد + کسے را با کسے کارے نباشد +

دلائی، وہ نشتر اس طرح چُبھا کہ رونے کو مردانگی کے خلاف سمجھنے کے باوجود دو دن تک آنکھیں سُرخ رہیں اور گھر کے لوگ الگ حیران تھے کہ کیا معاملہ ہے۔ پس میرا یقین ہے کہ دل ہر جگہ قطعًا نرم ہو چکے ہیں، موت کے تھپیڑوں نے بڑوں سے لیکر چھوٹوں اور امیر سے لیکر غریب کے دل میں وہ تیاریاں پیدا کر دی ہیں کہ اب صرف کسی بندۂ خدا کی آواز کی کسر ہے! میرے پاس ایک روشند دوست نے ابھی لاہور میں بیان کیا کہ کوٹ پتلون اور سُرخ ٹوپیاں پہنے ہوئے نوجوان آتے ہیں، اُن کے حمیت سے گرم چہرے اور نرم نرم سبزے یاد دلاتے ہیں کہ اسلام کے ان کجکلاہ سپاہیوں کو اپنی پتلون سے شرم اور نکٹائی سے عار ہے، وہ جوش میں قریب ہو ہو کر اور رنج میں تڑپ تڑپ کر تیز نگاہوں سے کہتے ہیں کہ بیکار ہیں، کوئی بندہ خدا نظر نہیں آتا کہ اُسکے پیچھے لگ کر جان کو ہلاک کر دیں! زوال کا عام اور عالمگیر احساس اِس امر کی قطعی دلیل ہے کہ عزّ اور بادشاہت کی طرف پھر آنکھیں لگی ہیں اور یہی درحقیقت مسلمانوں کے اِس عجیب و غریب اور نا معقول مقولے کی منطقی تاویل ہے کہ ہر زوال کے بعد کمال یقینی ہے! میری بیوی مسلمانوں کے عام پردے کے مطابق رہتی ہے، ساڑھی پہنی ہوئی نئے فیشن کی عورتوں کو کن انکھیوں سے، اور نئی رَو کی زنانہ پارٹیوں میں شامل نہیں ہوتی، بڑی بڑی دعوتوں کے باوجود کسی کے ہاں آنا جانا نہیں۔ پردے کا اہتمام از خود اِس قدر ہی کہ موٹر میں جالی کی اندھی چلمنیں گرا کر بھی برقع اوڑھے رکھتی ہے۔ میں چھیڑنے کے لیٔے آگے سے کہدیتا ہوں کہ فیشن کے خلاف ہی۔ بال بچّوں میں تمام دن اِسقدر مشغول کہ دن ڈھلے کبھی کبھار کتاب یا اخبار پڑھ لیا تو غنیمت ہی۔ سرِ شام کھانا پکانے، کھلانے اور بچّوں کو سُلانے کے بعد اُسکی سیاسی گفتگو مجھ سے شروع ہوتی ہے مگر اُن بیسیوں سوالات میں جو میرے تنگ ہونیکے باوجود مجھ سے کر جاتی

موجود نہیں وہ اُسی طرح فرقہ بندی کی رَو میں مرضی کے بغیر بہے جا رہے ہیں جن مختلف طبقہ
کے لوگوں نے پچھلے سات برس مجھے لکھا ہو اُن میں شاید پانچ متنفس ایسے نہ ہوں گے جنہوں نے
کسی خاص سیاسی جماعت سے اپنے تعلق کی طرف اشارہ کیا ہو حالانکہ اُنکی مجھ سے گفتگو کا اکثر حصہ
سیاست ہی رہا ہے۔ اب میرے اندازے میں آٹھ کروڑ مسلمانوں کے بالمقابل ہندوستان کی
سرزمین میں اُن لوگوں کی تعداد صرف چند سینکڑوں یا غایت چند ہزاروں تک ہے جو نری ضد سے اور
کسی شرط پر بھی اپنی ٹولی کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ یہ تعداد اسقدر خفیف اور اپنی اغراض سے اسقدر
وابستہ ہو کہ قابلِ اعتنا بلکہ قابل علاج نہیں۔ میرا یقین ہے کہ جس وقت نفس کی اصلاح شروع ہو جائے
گی لوگ جوق در جوق اسمیں شامل ہوتے جائینگے بلکہ اصلاح کی خواہش کے اِس عام ماحول میں
جسقدر دلچسپی، جسقدر کشش، جسقدر مقناطیسی تڑپ اِس حرکت میں ہوگی تھیئیٹر کے کسی بڑے سے
بڑے حُسن و عشق کے تماشے یا آتشبازی کی کسی بڑی سے بڑی نمائش میں نہ ہوگی۔ مسلمانوں کے زوال
کی داستان پچھلے تیس برس کی مدت میں ہر خاص و عام کے دل پر وہ دھکے اور چوٹ دے دیکر لگی ہے،
پُرانے دوست خدا کی بے نیازیوں اور دشمن نوازیوں کو بار بار دیکھکر جگر اس قدر زخمی اور سینے اسقدر
چھلنی ہو چکے ہیں کہ تنگ گلیوں کے اندر وہ بُڑھیا جو اپنی اندھیری کوٹھڑی میں اٹوانٹی کھٹوانٹی
پر پڑی سوکھے ٹکڑے پانی کے پیالے سے نگل رہی ہے، اور جس کو شاید یہ معلوم نہ ہو کہ سورج
بھی اِس سرزمین پر روشنی دیا کرتا ہے، اگر اُس سے مسلمانوں کے متعلق پوچھا جائے تو کہیگی کہ بیٹا
ہوش کرو خدا کا دین بہت عاجز ہو گیا ہے اور پرلو نزدیک ہے! میں خود یہ سوال ایک اندھیری
گانوں کی عاجز اور بے آس خاتون سے پوچھکر ڈبڈبا گیا اور جس دردناک آواز سے اُسنے مجھے بیٹا کہکر ہمت

اسلیئے ہیں کہ تمام سربرآوردہ لوگ جو ہنے اپنے فریق کی رہنمائی کررہے ہیں اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو سب کے سب برابر کے سپاہی ہیں۔ ہر ایک میں ایک نہ ایک گن، ایک نہ ایک فضیلت کوئی نہ کوئی ہنر، قابلیت، اہلیت، امتیاز قطعًا موجود ہے۔ وہ سب کے سب ملکر پہاڑ کو ڈھا سکتے ہیں سمندر چیر سکتے ہیں، آسمان میں شگاف کرسکتے ہیں، اور سب یکدل ہو جائیں تو نہ جانے کیا کرسکیں! نہیں، سپاہ قطعًا موجود ہے، دشمن سے لڑائی کی سچی روح موجود ہے، فتح و نصرت کے حوصلے موجود ہیں، جان دینے کی اُمنگیں اور اسلام کی راہ میں مرجانے کی تمنا موجود ہے، مال کی قربانی موجود ہے قید خانوں میں اولاد کی پروا نہیں، وطن کا دھیان نہیں، تن من دھن سب حاضر ہے، ہاں سپاہ تیار موجود ہے مگر سپاہ کا جرنیل موجود نہیں! مجوز اور مدبر کی جگہ خالی ہے! مجھے ایک بڑے مسلمان لیڈر نے جو اب انتقال کرچکا ہے آج سے اٹھارہ برس پہلے کہا بھائی ہمیں لیڈر مت کہو، ہم تو صرف سپاہی ہیں، صرف کام کرینگے، لیکن تجویز اور تدبیر کے اہل نہیں۔ مجھے صرف ایک مدرسہ دیدو جس میرا کامل اختیار ہو، کہ لڑکوں کو پڑھا کر قوم پیدا کروں لیڈری ویڈری مجھے نہیں آتی۔ اگر کوئی اپنا آدمی مجوز نظر نہ آیا تو غیر کے ہاتھ اپنا ہاتھ دے دینگے اور پانچ برس بعد یہی کیا! پس ایسی صورت میں کہ سپہ سالار موجود نہیں برابر کے سپاہی کیا کرسکیں گے۔ اُن میں سے ایک ناچار آواز دے گا کہ بھائی قطار میں ہو جاؤ اور لڑائی کے لیئے کوچ کرو تو دوسرا کہیگا ارے تو کہاں کا جرنیل ہے کہ ہمیں یوں تیزی سے کوچ کا حکم دیتا ہے۔ بولتے وقت تیری ڈاڑھی کیوں ہلتی ہے، ہم خود جب مرضی ہوگی چلیں گے لیکن تمہارے کہے پر ہرگز نہیں۔ بالآخر جب فوج حرکت نہیں کرتی تو ایک دوسرا سپاہی دردِ دل سے اور قواعددان کے لہجے میں کہتا ہے کہ "چلو"! وہ بھی اِسیطرح منہ کی کھاتا ہے اور ایک قیامت برپا ہو جاتی ہے! پھر

ہے۔ ایک ہی درد موجود ہے کہ مسلمان گر رہے ہیں، اُنکی آپسمیں لڑائیاں درست نہیں، اُنکے اخبار وں
کی چخ مخ شرمناک ہے، اُنکی آپس کی گالی گلوچ دردانگیز ہے، اُنکو اوروں کو دیکھکر شرم نہیں آتی،
اُن کا کیا حشر ہوگا، اُنکی بادشاہت کدھر گئی، بلغاریا کیوں چھن گیا، مصر پر کب انگریز چڑھ آئے،
طرابلس کیونکر گیا، بلوچستان کیسے نکل گیا، میں کیوں خاموش ہوں، اور کیوں چپ ہیں، میں مختصر
سا جواب دیتا ہوں تو پھر کُڑھتی ہے، اور جب تک پورا جواب نہ لے سوالات کا سلسلہ بند نہیں
ہوتا۔ بچہ سقاؤ کے یک بیک کابل میں داخل ہونے اور امان اللہ کے ناگہاں ہندوستان پہنچنے کے
متعلق میں نے حواس باختہ ہوکر سنایا تو چارپائی پر لیٹ کر ہچکی بندھ گئی۔ آنسوؤں کا وہ تار بندھا
کہ تھمنا نہیں ہوتا تھا، میں نے ڈرکر کہا حوصلہ کرو، خدا مدد دے گا تو غصہ سے یہ کہکر اندر چلی گئی کہ ایسے بیکاروں
سے بولنا حرام ہے۔ اِسکے بعد سے زیور پہننا چھوڑ دیا اور اب موٹے سوت کے سفید کپڑے ہیں۔ ایک
دن پکٹ پر بحث تھی۔ تجویز یہ تھی کہ سب مسلمان عورتیں برقعوں سمیت باہر نکل آئیں اور مردوں کا ہاتھ
بٹائیں۔ میں نے کہا تین تو خیر بڑے سہی باقی تین کو گود میں لیکر اور برقع اوڑھ کر پکٹ کیا کروگی!
وہاں تو کچھ بولنا بھی پڑتا ہے! کہا سب کو اُٹھا لوں گی لوگوں کو کچھ رحم تو آئے گا! بس جب میرے
گھر میں باوجود اِس نازونعمت کے یہ احساس موجود ہے تو میرا یقین ہے کہ ہر گھر میں ہے، ہر
شخص تڑپ رہا ہے۔ جب اِس تنعم اور غنودگی میں یہ بیداری ہے تو پھر سب بیدار ہیں۔ ایسی بیقراری
اور تڑپ میں یہ کہنا کہ مسلمان موقع پر اکٹھے نہ ہوسکیں گے، وہ سب اپنی اپنی ضد پر اڑے رہینگے
میرے نزدیک مایوسی کی انتہا ہے بلکہ ممکن نہیں! یہ آپس میں گالی گلوچ، یہ ایک دوسرے کو صلواتیں
یہ جان توڑ دشمنیاں، یہ علیحدہ علیحدہ ٹولیاں اور ہر ٹولی میں ایک دوسرے کو گرانے کی پرکاریاں صرف

آٹھواں باب

موجودہ رہنما اور اُن کو کیا کرنا چاہیئے

مصنّف۔ میرے علم میں کم از کم بیس۲۰ مثالیں ایسی موجود ہیں جہاں اِن حضرات نے اسلام کی خدمت میں اپنی سب دولت پیش کی، ایسے نادار ہوگئے، دردناک مشقتیں جھیلیں، قومی روپیہ ہضم کرنا تو درکنار ہمیشہ اپنی گرہ سے خرچ کرتے رہے۔ لوگوں کی خاطر تواضع، تالیف قلوب، جلسوں میں آمد و رفت، پروپاگنڈا، اشتہارات، پلاؤ کھلانے اور چائے پلانے میں سب کچھ لٹا دیا! جیل خانے کی تکلیفوں کا ذکر کیا، پسماندوں سے لوگوں نے اسقدر بے پروائی کی کہ قید سے نکل کر تن ڈھانکنے کو کپڑا نہ تھا۔ مگر جب آنکھ کھولی تو کولہو کے بیل کی طرح قوم بھی وہیں کی وہیں اور آپ بھی وہیں کے وہیں تھے۔ بربادی کی ایک حکایت کو ابھی سنکر کانپ اُٹھا اور دیر تک بُت بنکر پکارا کہ ایسی لیڈری کو آگ لگے جس میں گھر پھونک تماشا نظر آئے اور بڑا تماشا یہ کہ دو ایک مثالوں کو لیکر قوم یہی سمجھتی رہے کہ سب لیڈر قومی روپیہ ہضم کر جاتے ہیں! الغرض دردمند، کارکن اور سچے مُسلمان کثرت سے موجود ہیں مگر کام کرنے، بڑا بننے اور قوم کو بڑا بنانے کا سلیقہ ہرگز نہیں۔ یہ سپاہی تھے سپاہی رہ کر کسی ایک کو سردار منتخب کر لیتے۔ اور گرہ سے پائی خرچ کرنیکے بغیر اپنا ہاتھ اُسکے ہاتھ میں دے دیتے تو آج بیڑا پار تھا! بعض اور ہیں جن کی مالی قربانیاں شائد اِس قدر نہ ہوں مگر اُن کی قابلیت، علمیت، طاقت قلم، شجاعت، طاقت زبان سب فرداً فرداً بے مثال ہیں تاہم رہنمائی کے اِنہی جھمیلوں میں پڑ کر

دونوں طرف وہی سپاہیوں کا سوقیانہ کلام ہے، دشمن سے لڑائی آپس کی لڑائی میں بدل جاتی ہے اور دشمن مزے سے ہنستا جاتا ہے۔ جب بالآخر کچھ نہیں بنتا تو ہر سپاہی اُسی فوج کے چند دلیروں کو جوں توں ساتھ ملا کر اپنی اپنی راہ لیتا ہے اور بھاگڑ کی صورت نظر آتی ہے! موجودہ رہنما برابر کے سپاہی اسلیئے بھی بن گئے ہیں کہ برابری سے لڑنا پسند کرتے ہیں۔ سپاہیوں کی تھڑدلی اور سپاہیوں کا بازاری کلام موجود ہے جرنیل کا بلند حوصلہ اور متانت ایک میں نہیں۔ ایک اینٹ پھینکتا ہے تو دوسرا پتھر لیکر تیار رہو جاتا ہے۔ اگر اینٹ لگنے پر خموش ہو جاتا تو نہ جانے کس قدر بڑا اور یا رعب بن جاتا! خموشی دین اسلام کا بڑا جز ہے، قرآن میں بہشت کی تعریف لَهُمْ فِيهَا سَلَامٌ یعنی اس میں خاموشی اور امن ہوگا۔ کی ہے۔ ہادیٔ اسلام نے مسلمان کو خموشی کے لیئے بار بار کہا، صحابہ کرام اور پہلے مسلمان اسکی مشق کرتے رہے۔ انگریز قوم نے اپنی خاموشی سے ہندوستانیوں پر وہ رعب بٹھایا ہے کہ اُنکے اوسان خطا ہیں۔ ہندوؤں کے ایک بڑے رہنما نے خموشی کیلئے ایک دن مقرر کرکے کروڑہا خلق خدا پر اپنا تسلط جما لیا ہے۔ اور داناؤں نے گفتگو کو روپہلی اور خموشی کو سُنہری کہا ہے۔ پس یہ وجہ ہے کہ ایسی بے مثال فوج بھیڑ سے بدتر ہے اور فتح و ظفر تو درکنار، آرام سے صف باندھکر کوچ کرنا بھی اُسکے لیئے ممکن نہیں۔ یہ نہ ہو تو موجودہ رہنماؤں میں کیا شئے ہے جو ان سب میں ملکر موجود نہیں، کیا ہے جو فرداً فرداً بھی کسی دوسری قوم کے رہنماؤں سے کم ہے۔ (باقی)

رنگ، نسل، قومیت، ذات، گوت کا فرق صفر ہے، نہیں جب دلوں کی گہرائیوں کے اندر یہ بات مسلّم ہو کہ مسلمان مسلمان نہیں جب تک وہ ہی پہلا زور حاصل کر کے کبریائی کا ڈنکا ہر طرف نہ بجالے اور کبریائی کے باوجود اللہ کی زمین پر اس خاکساری سے اور دھیما دھیما چلے کہ بڑے سے بڑے تند خو کی گردنیں جھک جائیں تو پھر یہ آپس میں سرکشی اور سرزوری کیا ہے، یہ ذرا ذرا بات پر رنجش اور بدحواسی کیوں ہو! تاریخ کا ایک ایک ورق اس امر کا گواہ ہے کہ اسلام بچکا مگر لگاتار پھر اُبھرتا رہا، اس نے بار بار لچک قبول کی مگر وہ اُچھلا کہ پہلے سے دو قدم آگے تھا۔ مسلمانوں کے بہترین دماغوں اور رہنماؤں نے اپنے حسن تدبیر اور اتحادِ عمل سے اس تیرہ سو برس کے اندر اسلام کی وہ خدمتیں کیں کہ تاریخ دان حیران ہے۔ وہ سب طرف سے رُکے مگر پانی کی طرح چھوٹے سے چھوٹے سُوراخ سے نکلکر پھر دریا بنتے رہے۔ جب اسلام کے اندر یہ لچک، یہ روانی، یہ اُبھار، یہ چڑھاؤ تیرہ سو برس سے برابر چلا آرہا ہے تو آج مسلمانوں کے سرداروں کی آپس میں کشمکش کچھ ٹھیک نہیں۔ اپنی گذشتہ تاریخ سے ہنسی کرنا ہے، اپنے آپ کو نااہل بلکہ ناخلف ثابت کرنا ہے۔ جب دل کے اندر تڑپ ایک ہو، جب قبلہ کا نام بلند کرنے کے لئے قبلہ نما کی بے چینی ہر دل میں ہے تو مقناطیس کی سوئی کی طرح سب کا یکسو ہو جانا عقلی نتیجہ ہے! جو دماغ اس منطق کو نہیں سمجھا اُسکی سمجھ میں کسر ضرور ہو رو نما الگ الگ رہیں تو آگ کے یہ انگارے علیحدہ علیحدہ کیا شعلہ پیدا کر سکیں گے، انگاروں کا سر جوڑ دینا اور آسمان سے ہوا کا چلنا ہی بدبختی کے دن کچھ پھیر سکتا ہے۔ دلوں کو نرم کرنا، سینوں کو کھول دینا، اللہ کے خوف سے اپنے آپ کو گرا دینا، اُس بادشاہ زمین و آسمان کے ڈر سے اپنی پگڑی اُتار کر گلے میں ڈال لینا اور دو دو کا آپس میں ملکر آنسوؤں کا بے محابا تار باندھ دینا اصلاح نفس کی پہلی منزل ہے، مردی اور مردانگی کی طرف پہلا قدم ہے، شیطان سے لڑائی اور خدا سے دوستی کی پہلی تیاری ہے، شیطان دلوں کے

نہ اپنی ذات کو نفع نہ قوم کو فائدہ ہے۔ الغرض جس قوم میں درد اسقدر، درد والے اس قدر، کارکن اِسقدر، سپاہی اِسقدر، جاں باز زر باز بلکہ پاکباز اس قدر موجود ہوں اُسکو نابکار اور بدبخت کیونکر کہا جاسکتا ہے۔ اُن میں صرف اصلاحِ نفس کی کسر ہے، صرف اسکی کسر ہے کہ اپنے دلوں کے اندر خدا کو کوتوال بناکر بٹھادیں، اُس مالک زمین و آسمان کا ڈر وہ پیدا کریں کہ سرکش گردنیں نیچی ہو جائیں نظروں کو عین آمنے سامنے کرکے حوصلے سے دل نرم کردیں، دل نرم کرکے بے دھڑک سر جوڑ دیں اور آنسوؤں کی ارغوانی قطار سینے سے آنکھ کے پپوٹے تک باندھکر اُس شیطانی گندگی کو دھو ڈالیں جو دلوں سے چڑھ چڑھ کر نگاہوں کو میلا کر چکی ہے! میں بے بسی میں رونے کا سخت مخالف ہوں مگر اس طرح کے رونے کو کئی بیماریوں کی حکمی دوا سمجھتا ہوں، اِس سے دلوں پر سے برسوں کی جمی ہوئی میل دُھل جاتی ہے، اِس سے ٹوٹے حوصلے بلکہ دل پھر جُڑ جاتے، اِس سے شیطان کے پیدا کیئے ہوئے غرض اور حسد کے بُت ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں، وُہ رونا جس میں دل اُچھل اُچھل کر حلق کو آئے، جس میں اسلام کی محبّت کا بیگمان اقرار اور مسلمان سے اُلجھنے کی سچی شرم ہو، جسکے اندر ندامت کی بے دھڑک پیش قدمی اور شرمندگی کا بے خطر گلے مِلنا موجود ہو، وہ آسمان کے فرشتوں اور جنّت کے قُدسیوں کا رونا ہے بزدلوں کا رونا ہرگز نہیں۔ رونا اور رو رو کر شیطان کو باہر نکالنا، ابلیس کی پتھرائی ہوئی دلوں کی زمین کو آنسوؤں سے نرم کرنا طبیعت میں وُہ نکھار اور بدن میں وُہ تیاری اور بھڑک پیدا کر دیتا ہے کہ سات سمندروں کے پانی اور سات اقلیم کے دریا نہیں کرسکتے! مسلمان کا خدا ایک ہے، رسول ایک ہے، قرآن ایک ہے، دنیا پر غلبے، نہیں دنیا کو اپنے خُلق کے زور سے مطیع کرنے کا نصب العین ایک ہے، بھائی ہونے کا دعوٰے ایک ہے، خدا کی طرف لَوٹ کر جانے اور اللہ سے ملاقات کا یقین ایک ہے

اور آجتک کسی سے ہیٹا نہیں ہوا، یہ کلنک کا ٹیکا تمہیں نہ لگے کہ تیرہ سو برس میں صرف تم ہی نہ سنبھال سکے۔ اسلیٔے اپنے اپنے بتوں کو چھوڑ کر صرف اصلاحِ نفس کی طرف لگ جاؤ، بلا لحاظ فرقہ سب مسلمانوں کو اصلاح نفس کیطرف متوجہ کرو، تم میں سے وہی سچا رہنما اور جرنیل ہوگا۔ جو سب سے بڑی اصلاح اپنے اندر پیدا کرے گا۔ غور کرو کہ سپہ سالار کئی برس سپاہی رہ کر اطاعت اور اصلاح سیکھتا ہے تب کہیں حکم کرنے کا اہل ہوتا ہے۔ اسلیٔے سپہ سالاری کی ضد خدا کے لیٔے قطعًا چھوڑ دو۔ قدرت اُس رہنما کو خود انتخاب کرے گی، فرعوں اور فرقہ بازی سے تم ہرگز اپنے آپکو انتخاب نہیں کر سکتے اور نہ وہ انتخاب کسی طرح عام ہو سکتا ہے۔ اِس وقت نہ ایک فرقہ درست ہے نہ دوسرا ٹھیک ہے، نہ ہندو کے خلاف بات سچ ہے نہ ہندو سے ملکر صراطِ مستقیم ہے، نہ مسلمان کی مسلمان سے لاگ درست ہے نہ مذہب کو اُڑا کر قومیت کا ایک طرفہ خیال پیدا کرنا پختہ تجویز ہے، پس نہ دہلی کی چالیں کلام خدا ہیں نہ لکھنؤ کی سازشیں وحی بن سکتی ہیں۔ بے طاقت اور طاقتور کا جوڑ مشکل ہے کمزور اور زور آور کی لڑائی بھی مشکل ہے۔ اور طاقتور سے بھیک مانگ کر گذارہ کرنا بھی مَردوں کا کام نہیں۔ طاقت کے بغیر ہندوؤں سے جیتنے یا انگریزوں سے چھیننے کا خیال خام ہے اِس لیٔے صرف طاقت پیدا کرو، صرف اپنی اصلاح کرو، صرف اتحاد کرو، باقی کام خود بخود ٹھیک ہو جائینگے۔ اِس وقت آٹھ کروڑ مسلمانوں کے اندر جو بات مانی ہوئی ہے یہ ہے کہ انہیں اپنی دوستی کا احساس عام ہے، زوال کا حس عام ہے، خدا کی طرف پھر رجوع ہونے کا خیال عام ہے، اُن کو اِس فرقہ بندی اور کمزوری سے جو پیدا ہو گئی ہے عام بیزاری ہے تم میں سے اب کوئی بھی اپنے آپ کو بالاتفاق نہیں منوا سکتا، ایک ہزار یا دس ہزار یا ایک لاکھ ہونگے جو تم میں سے کسی ایک کے پیچھے چلنے کے لیٔے تیار ہیں مگر باغیوں کی تعداد پھر بھی پورے آٹھ کروڑ ہی ہے۔

اندر پتھر سے زیادہ سخت بُت بنانے اور دلوں کی زمینوں کو پتھرا دینے میں وہ ساہکار اور ابلہ فریب ہمارے
کہ قرآن کریم نے کفر کی حالت کا نقشہ کھینچکر کہا ہے کہ پتھر بھی ایسے ہوا کرتے ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے
ہیں اور اُن میں ایسے بھی ہیں جن سے چشموں کے چشمے پانی کے پھوٹ بہتے ہیں مگر شیطان کے پتھرائے
کافر دلوں سے عاجزی، اُن کا اللہ کے ڈر سے اپنے آپ کو گرا دینا، اُن سے آنسوؤں کا پھوٹ بہنا
ممکن نہیں۔ یہ وہ آیت ہے جسکا ہر مسلمان کو علم ہے اور قرآن کے عین شروع میں ہے۔ اِسکے دو معنے
ہو نہیں سکتے اور اسمیں تاویل کی گنجائش نہیں۔ پس رہنماؤں سے میں باذب یہ کہوں گا کہ بلند مقاموں
سے اپنے آپ کو گرا کر اور عاجز ہو کر چشموں کی طرح پتھر بھی ہو تو پھٹکر پھوٹ بہو، مالک زمین و آسمان سے
ڈر کر اپنے مغرور نفسوں کو گرا دو، بڑائی چھوڑ کر آپس میں مل جاؤ، سپہ سالاری کا وہم برطرف کر کے
سب کے سب سپاہی اور مجاہد بنکر صلح کر لو، خدا کی کبریائی کے آگے کسی کو بڑائی ہرگز نہیں۔ اسلام کے لیئے
یہ ایک بڑا نازک وقت ہے، ہوش کروگے تو آگے کی طرح اب بھی سنبھل جائیگا تم سب ملکر اِسقدر قوی ہو کہ اگر
کسی طرف راہ نہ رہے تو بھی ایک سوئی کے ناکے سے دریا بہا سکتے ہو۔ یاد رکھو کہ اسلام کسی وقت عاجز

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۲ : ۷۴)۔

(ترجمہ) پھر اے لوگو! اِس کے بعد تم سب کے دل سخت ہو گئے اور ایسے ہوئے کہ گویا وہ پتھر ہیں بلکہ اس سے بھی سخت تر۔ اور پتھروں میں تو بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے دریا کے دریا پھوٹ بہتے ہیں اور پتھر تو ایسے بھی ہیں جو اندر کے دباؤ سے پھٹ جاتے ہیں اور اُن سے پانی کے چشمے نکل پڑتے ہیں۔ اور پتھر ایسے بھی ہیں جو خدائے ذوالجلال کے خوف سے بالآخر اپنے بلند مقاموں سے گر پڑتے ہیں مگر تم وہ پتھر تھے کہ کسی طرح نرم اور عاجز نہ ہوئے تو یاد رکھو کہ خدا تمہاری کارستانیوں سے خوب واقف ہے جو یوں دردناک سزائیں دے رہا ہے (سورۂ بقرہ)

نواں باب

دردمند مسلمانوں میں اصلاحِ نفس کیونکر شروع ہو

مصنف۔ پس اس صورت میں کہ مسلمانوں کو اپنی درستی کا عام حس ہے، رہنماؤں میں درد ہے، بلکہ اُن میں یقیناً اکثر ایسے ہیں جو قوم کی خدمت میں بڑی قربانیاں کر چکے ہیں، رہنماؤں اور قوم دونوں کیلئے کھلا رستہ ہے۔ اُن کی آپس کی اس اُلجھن میں جو پیدا ہو چکی ہے اور جو قوم کے لیئے زہر ہلاہل سے بدتر ہے دردمند رہنما کے لیئے اسکے سوا کوئی سبیل نہیں کہ سب سے پہلے سیاست سے علیحدگی کا بے دھڑک اعلان کرے، اپنی ٹولی، انجمن، مجلس یا جس شئے سے وابستہ ہے اُسکو حوصلے سے خود اپنے ہاتھوں سے توڑ ڈالے، مسلمانوں کے اندر مختصر الفاظ میں اعلان کرے کہ اس انجمن کا وجود باقی نہیں رہا۔ اعلان کے بعد صرف اُس چھوٹے سے محلّے میں جہاں وہ رہتا ہے اصلاحِ نفس کا کام بے خطر شروع کر دے، آپ خدمت کر کے اَوروں کو باہمی ہمدردی پر آمادہ کرے، فاروقِ اعظم رضؓ کی طرح امیرالمؤمنین اور بادشاہِ اسلام ہو کر مشک کندھے پر لادے، بوڑھی رانڈ اور اپاہج عورتوں یتیم بچوں اور بیکس لوگوں کے گھروں کی خدمت روزانہ کرکے ہر طرف سے سلام سلام کرتا گذر جائے۔ عاجز بنے، زمین پر دھیما دھیما چلے، نظریں نیچی ہوں، کلام شیریں ہو، ہر ایک سے مساوات ہو، الغرض خُلق ہو، خدمتِ خلق ہو، خالق کا خوف ہو۔ ایک ہزار برس کے لکچروں اور جلسوں یا چندوں اور اشتہاروں سے پیدا کی ہوئی قوت اس طرح پر ایک ہزار گھنٹوں میں اس محلہ میں پیدا ہو سکتی ہے

اَب سے پہلے پیروں اور مولویوں نے دین کی بنا پر امت کے ہزاروں ٹکڑے لمبائی کی طرف سے کیئے تھے اَب تم سیاست کی بنا پر اس مرحوم قوم کے چوڑائی کی طرف سے ٹکڑے مت کرو بلکہ ہر مسلمان پر دین اور سیاست یا مذہب اور طاقت کو ایک ثابت کر کے پہلے ٹکڑوں کو پھر جوڑ دو۔ یاد رکھو کہ قوت کا نصب العین دکھا کر قوم کا اتحاد ممکن ہے کمزوری اور شکست دکھلا کر ہرگز ممکن نہیں۔ قوم تمھیں اپنا سردار تبھی ماننے کیلئے تیار ہوگی جب اُسکی قوت تمہارے طرزِ عمل سے دس گنا بڑھتی جائے گی، اُنکی رہی سہی طاقت کو اور توڑ کر سرداری منوانا صاف ناسمجھی ہے۔ غور کرو کہ نری سرداری فی نفسہٖ کچھ شئے نہیں، نہ شہرت بذاتِ خود پائدار ہو سکتی ہے جب تک کہ نتائج پائدار نہ ہوں سردار بننے اور رہنمائی کرنے میں اگر کچھ رغبت ہے تو اسلیئے کہ قوم طاقتور بن جائے، اسکی قوتیں ایک مرکز پر ہوں، اسمیں مقابلہ اور لڑائی کی طاقت پیدا ہو، طاقت سے آزادی اور آزادی سے بادشاہت حاصل ہو، آزادی اور بادشاہت کے بعد اگر کچھ اپنی ذات کو بھی نفع حاصل ہو جائے تو دوسری بات ہے لیکن اس سے پہلے کسی وہمی فائدے اور موہوم ہڈی پر لڑنا اور لڑ مر کر اس فائدے کو اور موہوم کر دینا صریحًا ہوشمندی کے خلاف ہے۔ (باقی)

عورتیں، بچے، بوڑھے، ہندو مسلمان، پارسی، عیسائی، جنکو میری اس تھوری سی خدمت کا علم ہوگیا تھا، اُترتے، ہاتھ اٹھاکر سلام کرتے یا دعائیں دیتے، نرم گدّوں پر بیٹھے ہوئے ہونے کے خیال سے میرے سادہ لباس کو غور سے تکتے، میری بوڑھی خادمہ سے جو ساتھ تھی سُن کرکہ ولایت چھ برس رہ کر بھی چند برس ہوئے آئے ہیں اور گیارہ سو تنخواہ پاتے ہیں ششدر رہجاتے، بعض عورتوں نے میرے پاؤں کو ہاتھ بھی لگایا، میں نے دل میں شرارت سے کہا کہ میرے لیئے پیر بننا کچھ مشکل نہیں! لیکن اس صحبت کا بڑا شرور یہ ہے کہ بعض ایسے دوست پیدا ہوگئے جو آجتک دوست ہیں اور دھلی کی بوڑھی خادمہ کو جو سیاست میں ماہر ہے اس کیف کا یہ نشہ ہے کہ دوسرے چوتھے جب موقع ہوتا ہے کہدیتی ہے میاں! خدا کی شان مسافروں میں آپس میں وہ محبّت پیدا ہوگئی تھی کہ جنّت کا سماں نظر آتا تھا اللہ کے لیئے دوسرا سفر ہو تو یہ جنّت پھر دکھا دینا! رہنماؤں کو مسلمانوں میں اصلاح پیدا کرنیکے لئے ننگ دھڑنگ بننے یا سادھوؤں کی طرح بدن پر راکھ ملنے کی ضرورت نہیں، صرف درویش صفت ہونا بکار ہے، یہ ہو تو تاتاری کلاہ رکھکر بھی لیڈری کرسکتے ہیں۔ بہرنوع اسلام کی اس بظاہر لا علاج حالت میں رہنماؤں کے سامنے جو نیر بہدف نسخہ میں نے پیش کیا ہے اسکا پہلا اہم جُزیہ ہے کہ سب رہنما سیاست کی بھُول بھلیّوں سے الگ ہوجائیں، قوم کو اس گورکھ دھندے سے الگ کریں، اور انگریز یا ہندو جو کچھ بھی اسوقت دیتے ہیں سرِدست خاموشی اور بے حسّی سے لیلیں۔ خانہ جنگیوں سے کمزور ہوئی ہوئی بے مرشد قوم کو سیاست کی طرف لے جانا اسی قدر مہلک ہے جس قدر کہ دل کی دھڑکن کے بیمار کو طاقت حاصل کرانے کے خیال سے چڑھائی پر چلانا خطرناک ہے۔ سیاست بذاتِ خود صرف قوّت کا دوسرا نام ہے سیاست اور حقوق کو زور سے لینا ایک شئے ہے، اور جو قوم زور آور ہے اُسکے

اور اپنی گرہ سے ایک پائی خرچ کرنے کے بغیر! اور جس شخص نے سب سے زیادہ اخلاقی جرأت اور لیاقت قوم کی اس بنیاد کو مضبوط کرنے میں دکھلائی وہی بازی لے گیا، وہی، اُس محلّے کا نہیں، تمام قوم کا سردار ہے، وہی سیّد ہی، وہی سیّد القوم ہے، امیرالمومنین ہے، بادشاہ اسلام ہے! اگر پچاس شخص بھی اِس قطعے کے پچاس مختلف جگہوں میں پیدا ہو جائیں اور اُن میں قوت کی انتہائی بلندیوں کے پہنچنے تک صرف اسلام کا درد اور خدا کا ڈر موجود رہے تو آٹھ کروڑ کیا سارے چالیس کروڑ مسلمانوں کا بیڑا پار ہے۔ بے درد اور سرکش رہنماؤں کی ٹولیاں اِس طرز عمل سے آنکھ کی جھپک میں ویران ہو جائیں گی۔ ایک شخص اِن کرسیوں پر بیٹھنے والوں اور نرے حکم چلانے والے رہنماؤں کا چاہنے والا نہ رہیگا۔ سب جوق در جوق اُس مشک اٹھانے والے عاجز امیر کے پیچھے پروانہ کی طرح دوڑیں گے، سب اُس عاجزوں اور بے کسوں کے دستگیر نوکر کو سردار مانینگے۔ میں نے خود اس سردار بننے کے عجیب و غریب نسخے کو گیارہ برس ہوئے چند گھنٹوں کے لیئے آزمایا اور اِس پر یقین ہونے کے باوجود حیران رہ گیا کہ کسقدر تیر بہدف اور زود اثر ہے۔ جون کے مہینے میں ایک ناگہاں خانگی مصیبت کے ضمن میں پشاور سے کراچی کا سفر پیش ہوا، اُس وقت "تذکرہ" لکھتا تھا اور قرآن اور خدا سامنے تھا، طبیعت اِس قدر بیقرار تھی کہ دنیا کی ہر شئے بے حقیقت اور اپنا وجود سب سے عاجز نظر آتا تھا، بہاولپور اور سندھ کے ریگستانوں میں گرمی وہ کڑاکے کی تھی کہ مسافر کھڑکیوں سے نکل نکل کر پانی کی صدائیں عبث دے رہے تھے۔ میرے پاس اپنی خادمہ کی پیش بندی کی وجہ سے پانی کا معقول انتظام تھا۔ نرم گدّوں کو حوصلہ سے چھوڑکر صراحی ہاتھ میں لی اور چھ گھنٹہ تک سب کو تقسیم کرتا گیا۔ اِس صحبت کا سرور اب تک ہی۔ یہ اسلیئے بھی کہ عمل شروع کرنیکے تھوڑی دیر بعد ہی جس سٹیشن پر صراحی لیکر اُترتا تھا مرد

دسواں باب

مسلمانوں کے خاص طبقوں کی مذہبی حالت اور اصلاح نفس

ہمدرد۔ جس بےمثال وضاحت اور کمال مہربانی سے جناب نے ان امور کی تشریح کی ہے میں صدق دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ اس وضاحت کے بعد جو جناب نے کی ہے کسی ہوشمند شخص کے لیئے آپ سے اصولی اختلاف کرنے کی گنجائش رہی۔ مسلمانوں کو اگر حقیقت میں پھر طاقتور بننا ہے تو اس قیامت میں جو برپا ہے یہ امر یقینی ہے کہ اصلاح نفس کے سوا کوئی تدبیر نہیں، اور احساس کے اس ماحول میں جو عام ہے اگر موجودہ رہنما بھی اس تجویز پر عمل کریں اور خطرناک عمارتوں کو ڈھادیں تو طاقت کی دیوی ایک ہزار کوس سے ایک ہزار قدم پر آسکتی ہے۔ رہنماؤں کے مالی ایثار، حب قوم اور درد دل کی جو نہایت حوصلہ افزا تصویر جناب نے پیش کی ہے ہمارے لیئے بالکل نئی ہے۔ قومی اخبارات سے جو کچھ پتہ چلتا ہے یہ ہے کہ ماسوا اس رہنما کے جسکو اس کا اپنا حمایتی اخبار آسمان کا فرشتہ بنانے کی سعی کرتا رہتا ہے باقی شیطنت، بد دیانتی، ریاکاری اور نفاق کے پتلے ہیں اور چونکہ ہر اخبار صرف اپنے اپنے بتوں کو سراہتا اور باقیوں کی پگڑی اچھالتا رہتا ہے لوگ سمجھتے کہ سب برے ہیں یہی وجہ ہے کہ عام مسلمان سب کی حرکتوں بلکہ سب حرکتوں سے بیزار ہیں۔ مجھو ڈر ہے کہ جناب کو بالخصوص اسلیئے کہ آپ اخبارات کی باہمی لڑائیوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں اور قوم کے اندر جو شرمناک دھینگا مشتی ہوتی رہتی ہے اس سے براہ راست

لیے آگے چل کر خود بخود سیاسی بن جانا طبعی امر ہے۔ پس قوم کو طاقتور اور متحد بنانا سب سے بڑی بلکہ سب سے کھری سیاست ہے۔ دوسرا جزیہ ہے کہ رہنما اپنے ہاتھ سے اُن انجمنوں کو توڑ ڈالیں یا اُن سے علیحدہ ہو جائیں جو فساد کا باعث ہیں، اُن بتوں کو خود توڑیں جنہوں نے اپنی اپنی الگ عبادت سے قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ تخریب کے بغیر نئی تعمیر محال ہے اور جس معمار میں اپنی بنائی ہوئی دیوار کو ٹیڑھا اور خطرناک دیکھکر اپنے ہاتھ سے ڈھا دینے کا حوصلہ نہیں، اُسکی نیت اِس مکان کے بسنے والوں کے حق میں پرلے درجے کی بُری ہے۔ ایسی دیوار کو گرا دینا سب سے بڑی نیکی ہے، معمار کی محنت دیکھکر کھڑا رہنے دینا انجام ناشناسی کی انتہا ہے۔ سیاست میں سلامتی سے چلنا قوم کی صحت کی دلیل ہے۔ پس رہنما کی پہلی فکر قوم کی انتہائی صحت اور اتحاد ہونا چاہیئے۔ جس رہنما کو یہ فکر نہیں وہ رہنما ہرگز نہیں، قوم کا پاسبان ہرگز نہیں، محافظ ہرگز نہیں، نیک نیت ہرگز نہیں، ناخدا ہرگز نہیں۔ دس برس کی سوچ کے بعد میرے پاس یہی ایک نسخہ ہے دوسرا مانگو تو اس تپ دق کے مریض کے لیئے ہرگز نہیں!

بلکہ اسکو شروع کرنیکے لیئے مسلمانوں کے دلوں کے اندر فضا نہایت موافق ہے اور یقین ہے کہ اسی تحریک کے ضمن میں وہ عظیم الشان رہنما بھی پیدا ہو جائے گا جس کی اس قدر طلب اور پکار ہے لیکن جناب والا کی اس آخری تقریر کے ہر نکتے کو پیش نظر رکھنے کے بعد جو طبعی اور نہایت مشکل سوال عملی نقطۂ نظر سے میرے دل میں پیدا ہوا ہے یہ ہے کہ اصلاح نفس کی تحریک لامحالہ ایک دینی اور مذہبی تحریک ہے، اصلاح نفس کے معنی جو کچھ میں سمجھا ہوں مسلمانوں کو وہی رسولِ خدا صلعم کے زمانے کے پکے اور سچے بے خوف و بے ریا مسلمان بنانا ہے، خدا کی راہ میں اُسی طرح جان دینے والے مجاہد اور اللہ کے حکم پر آسمان سے لڑنے والے پہلوانوں کا تیار کرنا ہے۔ نہیں بلکہ ایسے خدا ترس اور راستباز مجاہد تیار کرنا ہے جو توپ سے لڑجانے کی ہمت رکھنے کے باوجود اللہ کی اس زمین پر دھیمے دھیمے چلیں اور اپنے خلق کے زور سے دنیا کو مطیع کریں۔ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں یہ وہی تصویر ہے جو جناب نے "تذکرہ" میں ایمان کی بحث کے ضمن میں پیش کی ہے۔ گویا اصلاح نفس پیدا کرنا اور پھر مومن بن جانا ایک شئے ہیں۔ اگر میں نے جناب کے منشار کو صحیح سمجھا ہے اور اصلاح نفس کی تحریک میں مذہب کے سوا کوئی دوسری چاشنی نہیں تو اوّلاً مذہب کی طرف جو کچھ مسلمانوں کا رُخ اس وقت ہے بلکہ یورپ کی مادیّت کے طوفان کے بالمقابل جو کچھ قدر دنیا میں مذہب کی رہ گئی ہے سب پر عیاں ہے اور جناب والا پر سب سے زیادہ۔ اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ دوئم مسلمانوں کے اُن طبقوں میں جو کسی نہ کسی رنگ میں مذہب سے وابستہ میں مذہب زیادہ سے زیادہ ایک دُکّان داری یا سوداگری ہے۔ یا قرآن نماز وغیرہ پڑھا پڑھا کر مزدوریاں ہیں یا پیر پرستی قبر پرستی اور فرقہ پرستی کی تجارت ہی۔ سوداگر اور گاہک دونوں مطمئن ہیں اور اسلام کی صحیح روح کی بیخ و بنیاد نکل چکی ہے۔ علانیہ شرک اور بت پرستی ہے۔ پیروں کو خدا سے

ناآشنا ہیں، کسی صاحب نے رہنماؤں کے متعلق غلط اطلاع دی ہو، لیکن جناب کا وثوق سے کہنا کہ
ان میں اکثروں نے بے مثال قربانیاں کی ہیں اور ہمیشہ اپنی گرہ سے خرچ کرتے رہے وغیرہ وغیرہ
سخت تعجب میں ڈال دیتا ہے۔ اگر صورت یہی ہو تو میرے نزدیک مسلمانوں کی قوم بھی ایثار میں کسی دوسری
قوم سے کم نہیں اگرچہ آپ کا یہ محاکمہ قطعًا درست ہے کہ کسی کو قوم کو بڑا بنانے کا سلیقہ نہیں۔ اس نکتے
کے متعلق آپ سے ذرا زیادہ وضاحت اسلیئے درکار ہے کہ قوم ایک مدت سے ان سے بدظن ہے اور اگر
یہ چاہیں کہ آج دس روپیہ کہیں سے چندہ کے طور پر اکٹھا کر سکیں یا ایک ادنیٰ بات بالاتفاق منوا سکیں
تو نہیں کر سکتے۔ جناب کی اس تقریر سے جو رقت ہمارے دلوں پر طاری تھی اسکو ضرور آپنے مشاہدہ
کیا ہوگا۔ ہم سب آبدیدہ تھے اور آنسوؤں کی ارغوانی قطارے جس کی آسمانی سند دیکر آپنے ہدایت کی ہر
دلوں کی میل کو دھو رہے تھے۔ اس قرآنی آیت کے معنوں کے متعلق ہم حیران ہیں کہ آپ نے کیا
طلسم کر دیا۔ بیسیوں دفعہ پڑھتے تھے اور سمجھ نہ آتی تھی ادائے خاص سے یہ نکتہ سرائی جناب کو ہزار مبارک
ہو لیکن جو نکھار طبیعت میں اس رونے سے پیدا ہوا ہے اسکی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر قوم میں ان خیالات
کی عام اشاعت ہو تو یقین ہے کہ اصلاح نفس کی تحریک کا اس وقت فرض ہونا مسلمانوں پر قطعًا ثابت
ہو جائے گا اور عجب نہیں کہ موجودہ رہنماؤں میں سے دردمند حضرات اسکی حکمت کو دیکھکر اسمیں جوق
جوق شامل ہو جائیں۔ چند ایک رہنماؤں کے متعلق ہمیں ذاتی طور پر علم ہے کہ وہ مسلمانوں کی موجودہ سیاست
سے بیزار ہیں، اُن کی رائے میں سیاست نے امید کے مطابق قوم کو فائدہ نہیں دیا، وہ عام تحریک سے
الگ ہو کر کسی مفید کام کرنیکے درپے ہیں۔ دو ایک اصحاب نے کچھ مدت ہوئی اسکے متعلق اعلان بھی کر دیا تھا
مگر چونکہ بہتر تجویز نہ شائد نہ کر سکے پھر اُدھر رجوع ہو گئے۔ بہر نوع اس وقت اصلاح نفس کی تحریک کی اشاعت

یا اور کچھ نہ ہو سکے تو نماز کی سُر کو ذرا اونچا کر دیتے ہیں۔ اِس طبقے کو "ذٰلِکَ کَرَّۃٌ" پڑھ کر بڑا زخم لگا ہے اور اب کچھ حیران ہے کہ کیا کرے۔ اِسی میں ہم لوگوں کو داخل سمجھ لیجئے یا اوپر والے طبقے میں لیکن ہمارے اور اوپر والے طبقے کے اعضا کی بناوٹ ایک سی ہے۔ اُن کے پاس کام نہ کرنے کی سند اگر آیت یا حدیث ہے تو ہمارے پاس اِنکے علاوہ لندن کی بنی ہوئی منطق ہے۔ اِس سے ہم اپنے ایک ایک عمل بلکہ ہر ایک بے عملی کو سچ ثابت کر سکتے ہیں، انگریزوں کی ملازمت اور خدمت اسلام کا جزو ثابت کر سکتے ہیں، اقرب للمودۃ کی آیت نہایت تحکم سے پیش کر سکتے ہیں، اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کو روشن دلائل سے انگریز ثابت کر سکتے ہیں، انگریز کی اطاعت سیاہ حبشی کی اطاعت سے افضل بتلا سکتے ہیں، خان بہادری اور پنشن کو اللہ کا فضل کہہ سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ دوسرا اور زیادہ خطرناک وہ طبقہ ہے جس کو انگریزی تہذیب اور تعلیم کی چمک نے بالکل چکا چوند کر دیا ہے، وہ قرآن کو اپنے گھر میں رکھنا عار سمجھتے ہیں، اسلام اور خدا کا نام لینے والوں کو "مولوی" کا خطاب ضد سے دیتے ہیں، بڑے بڑے عہدے سرکار کے ہاں سے لینے کی خاطر ملّۃ کو فروخت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ عین روزوں میں چائے اور انگریزی قفلیوں کی پارٹیاں رچاتے ہیں، نماز کے وقت کوئی باہر چلا جائے تو پتلون میں ہاتھ ڈال کر ڈٹے رہتے ہیں اور اگلے موقع پر اُسکو ملّا سمجھکر نہیں بلاتے، عورتوں کو بے پردہ کر کے انگریزوں کے ساتھ نچواتے ہیں، تھیئٹر ہے، سنیما ہے، فونوگراف ہے، انگریزی لباس ہے، انگریزی خوراک ہے، انگریزی رہائش ہے، انگریزی لہجہ ہے، انگریزی طریق پر استنجا ہے۔ آٹھ برس ہوئے اِن میں سے ایک صاحب کے ہاتھ جب کہ وہ ایک دردمند مسلمان کے ہاں مہمان تھے، قرآن چڑھ گیا۔ حاشیہ قریبًا صاف تھا اور اردو کا سلیس ترجمہ تھا۔ آرام کرسی پر بیٹھکر اور دونوں ٹانگیں دراز کر کے دیکھنے لگے کہ صبح کا

بہتر مانا جاتا ہے ، بدترین باتوں کا جواز ہے ، نفس کی پیروی ہے ، خدا ، قرآن ، دین اسلام رسول ، سب سے سچی دشمنی ہے ، سوم اُس ذرا روشن خیال طبقے میں جو قرآن اور اسلام کو خود دیکھتا ہے اور جس میں ایک حد تک وہ علمائے دین بھی شامل ہیں جنکی مستقل مذہبی دُکانیں نہیں ، اُن میں جیسا کہ جناب نے "تذکرہ" میں بھی کہا ہے ہولناک فرقہ بندیاں ضد اور آپس کی بغاوت پر ہیں ، قرآن کی ایک ایک آیت پر جھگڑا ہے ، حدیث پر جھگڑا ہے ، فقہ اور رسوم پر جھگڑا ہے ، اسلام کی غرض و غایت پر جھگڑا ہے ۔ اسمیں شک نہیں کہ "تذکرہ" کی اشاعت کے بعد ان جھگڑوں کا قلع قمع اگر نہیں ہوا تو حیرت انگیز طریقہ پر کم ضرور ہو گئے ہیں ۔ بہتوں نے خاموشی ضرور اختیار کر لی ہے ، بہتوں کی تحریر و تقریر کا انداز ضرور بدل چکا ہے ۔ تاہم جو بات اس طبقے میں سب سے زیادہ ظاہر ہے یہ ہے کہ اُنکے سامنے اسلام کو پھر بڑا بنا دینے کی کوئی مستقل تجویز نہیں ۔ بڑی سے بڑی خدمت جو ان سے کوئی لے سکتا ہے نوحے اور مرثیئے ، جلسے اور انجمنیں ، یا غایت "پدرم سلطان بود" کی بحثیں ہیں لیکن اگر کام کا وقت آئے تو ان کے گھٹنوں میں درد شروع ہو جاتا ہے یا کوئی آیت اور حدیث عذر میں پیش کر دیتے ہیں ۔ چہارم مسلمانوں کے یورپ اور انگریزی تعلیم سے متاثر دو بلکہ تین طبقے ہیں ۔ ایک قدرے آسودہ حال وہ طبقہ ہے جو اعلیٰ تعلیم سے فارغ ہو کر دنیا داری کے مشغلوں میں لگا ہے ، مدرسوں کی تعلیم کے باوجود اسلام کا نام سُنا ہے ، نماز روزہ نصفا نصف ، قومی چندہ خیرات کچھ نہ کچھ ، زکوٰۃ کا ذکر الّم غلّم شرعی ڈر سے ہو رہتا ہے مگر مذہب اُنکے نزدیک سیاست اور دنیا داری سے قطعاً جُدا ہی اور اولاد اور پیٹ کے دھیان کے بدمست ہو کر سو رہنا اُن کے نزدیک مسلمان کا معمول ہے ۔ جنت میں جانے کا خیال اُن کو کبھی کبھی آ رہتا ہے اسلیئے پنشن پا کر یا سفید ریش ہو کر قرآن ، تسبیح ، روزہ ، حج کا ذکر وغیرہ لے بیٹھتے ہیں ۔

ذلیل تھے۔ الغرض یہ وہ رہنما ہیں جنکے بارے میں کچھ دیر ہوئی آپ نے کہا تھا کہ پھولدار پودے ہیں گملوں میں الگ لگے ہیں اور صرف سجاوٹ کا کام اُن سے نکل سکتا ہے۔ اِن دو طبقوں کے علاوہ ایک اور نیم تعلیم یافتہ طبقہ ہے جو نیم تعلیم ہونیکے باعث خطرۂ ایمان ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اِن ناقص تعلیم کا سب سے ناقص حصہ لیکر طاعون کی طرح شہروں اور قصبوں میں روز بروز پھیل رہے ہیں۔ انگریزی کی شُدبُد اور کہیں نہ کہیں روزگار بھی لگا ہے مگر مذہب کی بیخ و بنیاد تمام خاندان سے اُکھڑ گئی ہے۔ گھر کی عورتوں اور دور دور کے رشتہ داروں تک 'تہذیب' کی وہ لاگ لگی ہے کہ قرآن، نماز کا نام کیا اونچی ایڑی کے بوٹوں اور پھولدار جرابوں، لیسوں اور فیتوں، فراکوں اور ساڑھیوں کے سوا کوئی ذکر نہیں رہا۔ جو کام ایک سنو پادری تنخواہ لیکر نہ کر سکتے تھے وہ کام اِن میں سے ایک ایک شخص بلا اُجرت کر رہا ہے۔ میں نے بہت سا قیمتی وقت اِس تفصیل میں صرف کیا ہے مگر اسکے بغیر چارہ نہ تھا تو اِس صورت میں کہ اصلاح نفس ایک خالص مذہبی تحریک ہی، خدا کے ڈر کو پھر دلوں میں پیدا کرنا ہے، قرآن اور اسلام کو پھر زندہ کرنا ہے اور خداوند عالم اور دینِ خدا سے رغبت کا مسلمانوں میں یہ حال ہے جو عرض کیا، کیا چاشنی اور کیا مزیدار شئے ہو جو مسلمانوں کو اس تحریک کی طرف ذوق و شوق سے خود بخود متوجہ کر سکے، اُن میں اِس حرکت میں شامل ہونے کی رغبت آپ پیدا ہوتی جائے، اُن میں دلیل اور منطق سے واضح ہو جائے کہ یہی ٹھیک رستہ ہی، اُنکے دلوں کے اندر سے یہ حِس پیدا ہو کہ اصلاح نفس ہماری بہتری کا واحد علاج ہے، ہماری اوّل اور آخری سیاست ہی، ہماری آیندہ بہتری کا پیش خیمہ ہے، ہمیں طاقتور بنانے کا واحد اوزار ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ جناب مذہب کی وساطت سے سیاست پیدا کرنا چاہتے ہیں بلکہ مذہب اور سیاست کو ایک ثابت کر کے خدا کی طرف پھر رجوع پیدا کرنیکے خواہاں ہیں۔ طریقہ

اخبار نہ پہنچنے کی بیتابی کم ہو چکی تھی۔ میں نے دور سے دیکھا کہ حاشیہ پر کچھ لکھ رہے ہیں۔ دس منٹ کے بعد مجھے چین نہ رہا، لپکا اور کہا حضرت کیا مطالعہ ہے۔ مسکرا کر فرمانے لگے کہ قرآن پر نوٹ لکھ رہا ہوں۔ میں نے دوستی سے نسخہ ہاتھ میں لیا۔ کسی جگہ 'ویل ڈن' اور 'آئی اگیری' یعنی بہت خوب اور میں متفق ہوں، لکھا تھا، کسی جگہ 'پرنون سنس' یعنی محض بیہودہ، ایک جگہ لمبا نوٹ تھا اور کسی فلسفی کے حوالے سے قرآن کی اُس اٹل حکمت کو غلط کہا تھا۔ میں نے ڈیڑھ گھنٹے تک وہ آڑے ہاتھوں لیا۔ سات پشتوں تک وہ تابڑ توڑ صلواتیں سنائیں، منطقی دلائل وہ پیش کیے۔ انگریزی تہذیب اور اُس فلسفی کی وہ گت بنائی کہ مسٹر کے ہوش اور صاحب کی ٹوپی اور پتلون کی دھجیاں اُڑا دیں۔ مجھے ڈر تھا کہ بڑے ڈپٹی ہیں کہیں چھ مہینے کسی دفعہ میں نہ دھر دیں مگر میرے سلوک کی شکایت صرف میزبان تک رہی اور میزبان صاحب نے در پردہ مجھے دو دفعہ کہا کہ خوب کیا! حضرت اکبرؒ نے اِس انگریزیت اور تفرنج کا خاکہ اڑا کر قوم کے ایک بہت بڑے حصے کو ان سے بیزار کر دیا ہے لیکن یہ طبقہ خطرناک اسلیئے ہے کہ انگریز چونکہ کسی قیمت اور کرتوت پر بھی ہندوستانی کو برابری نہیں دیتے اسلیئے یہ لوگ اُن سے عہدے اور عزت لینے کی خاطر "محمڈن" بنے رہتے ہیں، قومی انجمنوں کے بڑے عہدے اور قومی تحریکوں کی برائے نام سرداریاں کسی نہ کسی طرح اُنکے ہاتھ میں ہیں، نفع پیش نظر ہو تو قوم کے قائم مقام خود بخود بن جاتے ہیں، حکومت کے پاس قوم کیطرف سے وفد بن بن کر جاتے ہیں، جو حکومت چاہے قوم سے کروا کر اپنا ٹھکانا کر لیتے ہیں حکومت کے اُلٹ جانے کا خطرہ ہو تو قوم کو پُر امن رہنے اور بھائیوں سے لڑنے کی نیک صلاح دیتے ہیں، بغداد فتح ہو تو قوم کی طرف سے گورنر کو مبارک باد کی تار بھی دلوا دیتے ہیں، خوشامد کرنی ہو تو یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے عزتِ نفس انگریزوں سے سیکھی اِس سے پہلے ہم نہایت

گیارھواں باب

عام مسلمانوں کے ایک بڑے حصے میں مذہبی حس موجود ہے

مصنف ۔ جناب والا! آپ نے نہایت ہوشمندی اور دور بینی سے قریب قریب وہی سوال پوچھا جس کی مجھے گفتگو کے اس مرحلہ پر خواہش تھی بلکہ انگریزی تہذیب کے نقصان دہ اثرات اور مسلمانوں کے ایک حصے کی مذہبی حالت کے متعلق ایک حد تک خود اُن معاملات کو پیش کر دیا جو مجھے اصلاح نفس کی تحریک کی تشریح کے ضمن میں بعد میں کھولنے پڑتے۔ آپ کی اس دلچسپ بلکہ فکر افزا تقریر کے بعد میں اس بات پر خوش ہوں کہ آپ نے کم از کم اصلاح نفس کی تحریک کی روح کو سمجھ لیا ہے جو اسکی کامیابی کی فکر میں ہیں اور جو عظیم الشان نتیجے اس سے پیدا ہو سکتے ہیں اُنکو تسلیم کرنے میں آپ کو عذر نہیں۔ تاہم اس قدر گفتگو کے بعد بھی معلوم ہوتا ہے کہ قوم اور قومی کارکنوں پر آپ کا پورا اطمینان اب تک نہیں ہوا۔ اور اگر اس تجویز کو دل چسپ بنانے اور اسمیں "چاشنی" پیدا کرنے سے آپ کی مراد یہ ہے کہ میں اصلاح نفس کی تجویز کو کسی ناول یا ڈرامے کا لباس پہنا کر قرآن پر نوٹ لکھنے والے حضرت کی دلچسپی کے لیے اسکو کسی تھیئیٹر یا سنیما کے رنگ میں پیش کروں تو میں کہوں گا کہ آپ نے مجھے سر تا پا غلط سمجھا۔ اور میرے پاس اس قطع کی کوئی تجویز ہرگز موجود نہیں۔ نیک بننا اور دنیا میں نیکی پھیلانا بذاتِ خود ایک نہ ختم ہونے والی تکلیف اور بڑے دردِ سر کو مول لینا ہے، شیطان کی پُر رونق مجلسوں، نڈر بستیوں اور باغی آبادیوں کو اُجاڑ کر اداس چہروں، عاجز لوگوں اور ڈرے ہوئے بندوں کو

یہی درست ہے، اس وقت ضرورت بھی اسی کی ہے، اسمیں ہم خُرما وہم ثواب بیشک ہے لیکن تمدن کے اس رنگ میں جو غالب ہے اور جس سے خدا کا تخیل نکل چکا ہے کوئی محرک، کوئی اکسانے والی شئے ضرور ہونی چاہیئے جو اصلاح نفس جیسی تکلیف دہ شئے کو دلچسپ بنا کر اسکو عام مسلمانوں میں چلتا کردے۔ ایسی تجویز کو مفید بنانے کیلئے عالمگیر عمل درکار ہے اور یقیناً کوئی تجویز قابل توجہ نہیں جب تک کہ اُسکو عمل میں لانے کی بہترین تدبیر پہلے نہ سوچ لیجائے۔ تیرہ سو برس کے بگڑے ہوئے مسلمان مجھے ڈر ہے کیونکر "اصلاح نفس" کی پھیکی اور بے سُری آواز سے اُٹھ کھڑے ہوں گے، تیرہ سو برس کے سوئے ہوئے کیونکر یک دم جاگ اُٹھیں گے۔ اِن صورتوں کو جگانے کے لیئے اسرافیل کے صُور کی ضرورت ہے، نبیوںؑ کے معجزوں کی ضرورت ہے، مسیحاؑ اور محمدؐ کی ضرورت ہے۔ اور اگر یہ نہیں تو کم از کم اصلاح نفس کی حرکت کے اندر خود بخود اِس قدر کشش اور اِس قدر زور ہونا چاہیئے کہ اسکو چلانے کے لیئے کسی قُم بِاِذنی کی ضرورت نہ پڑے۔

مستقبل پر دھیان ہے، نقد اجرت مانگنے والوں اور اپنا ٹکا کھرا کر لینے والوں کا گذارہ یہاں کہاں ہرگز نہیں۔ آپ نے غالباً غور نہیں کیا لیکن کچھ دیر ہوئی میں نے خود کہا تھا کہ جس وقت نفس کی اصلاح شروع ہو جائے گی لوگ جوق در جوق اس میں شامل ہوتے جائینگے بلکہ اصلاح کی خواہش کے اس عام ماحول میں جسقدر دلچسپی جسقدر کشش اور مقناطیسی تڑپ اس تحریک میں ہوگی تھیئیٹر کے کسی بڑے حسن و عشق کے تماشے یا آتشبازی کی کسی بڑی سے بڑی نمائش میں نہ ہوگی[1]۔ اس دلچسپی اور کشش کا روشن ثبوت میں نے اپنے کراچی کے سفر کی حکایت میں لکھ کر دے دیا ہے اور عقلمند کیلئے اشارہ کافی ہے۔ آگے چلکر میں آپ کو بتلاؤں گا کہ اس تحریک میں منطق کیا ہوگی کہ سب مسلمان مذہباً بالآخر مجبور ہو جائینگے، اس کا لباس کیا ہوگا کہ ہر ایک میدان میں چار و ناچار کود پڑے گا۔ صرف موٹر کے انجن کی طرح مختلف جگہوں میں بیک وقت اور مناسب اشخاص کی رہنمائی میں چلانے کی وقت ہی یہ دقت نہ ہوگی تو سب مشین چالو ہے۔ لیکن یہ امر یقینی ہے کہ کاغذ سے استنجا کرنے والے حضرات پھر بھی بنگلوں میں بیٹھے نیک صلاح ہی دیتے رہیں گے، عین نتائج کے وقت اپنا ٹکا کھرا ہوتا دیکھکر ہاتھ پتلون سے باہر نکال لیں تو اور بات ہی لیکن انکا مشک کندھے پر اٹھانا اور اس حرکت کی رہنمائی کرنا خیال خام ہے۔ آپ نے مسلمانوں کے مختلف طبقوں کی مذہبی حالت کو جس خوبی اور سچائی سے پیش کیا ہے اب ہر شخص کو خیال آنا چاہیئے کہ میں کس گروہ میں ہوں لیکن امت کے ایک نہایت قلیل حصے کی جو غالباً شہروں اور قصبوں میں رہنے کی وجہ سے آپکے پیش نظر ہے، اس عمدگی سے تقسیم کر کے روپیہ میں سے اس پندرہ آنے کو معاف فرمائیں، ظلم سے بھول گئے جو قوم کی اصلی جان اور اسکی تمام صلاحیتوں کی روح رواں ہیں مجھے یقین ہو کہ آٹھ کروڑ مسلمان مردوں اور عورتوں میں سے جو اس

[1] دیکھو صفحہ ۱۳۰۔

لا بسانا ہے۔ نیکی کی سرِدست کوئی اُجرت نہیں، نیکی کی اُجرت بذاتِ خود نیکی ہی ہے اگر اس کو اُجرت کہا جاسکے، بلکہ خدا کے کسی کام میں بھی فوری اُجرت کا ملجانا محال ہے۔ شیطان کا اگر اِس زمین پر غلبہ ہے تو اس کا راز یہ ہے کہ شیطان اپنے کام کی اُجرت فوراً اور نقد انقد دیدیتا ہی۔ اگر زنا کرواتا ہی تو ساتھ ہی مزا ہے، جھوٹ بلواتا ہے تو ساتھ ہی نفع ہے، قتل کرواتا ہی تو ساتھ ہی نفس کو تسلّی ہے، چوری کرواتا ہے تو ساتھ ہی مفت کی دولت ہی، آگے چلکر اور اُجرت لے لینے کے بعد بیخ اُکھڑ جائے تو اور بات ہے مگر سودا اِسقدر نقد انقد ہے کہ سب سودائی ہیں، کسی کا سر نہیں کہ چند قدم آگے تو دیکھ لے۔ برخلاف اسکے اللہ میاں کا سب کام اُدھار پر ہے، دس گنے اُدھار پر ہے، مہینے کے اخیر کی تنخواہ پر ہے، آخرت پر ہے، اِسمیں انجام بخیر ہے، بالآخر فائدہ ہے، آگے چل کر بہتری ہے، سب کی بہتری ہے، قوم کی بہتری ہے، اپنی بہتری یہاں پر نہ بھی ہو تو آخرت اور قیامت کو جنت ضرور ہے۔ لیکن سرِدست صرف تکلیف ہے، پہلے کچھ مزدوری نہیں، فوراً کوئی اُجرت نہیں۔ یہ اس لئے کہ اس دنیا کے کارخانے کی بنا سعی و عمل پر ہے، جس قدر تکلیف کسی نے اُٹھائی اُسیقدر اجر آخر کو مل گیا۔ شیطان اس کارخانے کی بنا کو توڑنا چاہتا ہے اور بغیر تکلیف کے اُجرت دے دیتا ہے۔ پس نیکی اور بیگار ظاہراً ایک شئے ہیں اور بیگار کو جس قدر دلچسپ اور جاذب بھی بنانے کی کوشش کیجائے آخر بیگار ہے۔ اس صورت میں آپ کی یہ امید کہ قرآن پر نوٹ لکھنے والے یا کلہ کو فروخت کرنے والے حضرت اصلاحِ نفس کی تحریک کو سینما کا تماشہ سمجھ کر شوق سے شامل ہوجائینگے عبث ہی۔ یہ حرکت اُنہی دردمند، بیغرض، بے سروسامان، غریب دل اور اللہ کے مزدوروں کی ہے جن کی صرف انجام پر نظر ہے، آخرت پر نگاہ ہے،

سات ماہ ہوئے پیر صاحب کے ہاتھ پر بیویوں سمیت مسلمان ہوئے ہیں۔ میں نے کہا اِسقدر دور کیوں
آئے اور مسلمان بنکر اس جوانی میں بھیک مانگتے ہو۔ عذر کرنے لگا اور کہا کہ قرآن شریف پڑھتے ہیں
مَیں نے کہا کہ قرآن شریف میں تو لکھا ہے کہ بادشاہ بنو! اتنے میں ایک قریب کام کرنے والا
ارہ کش جو پہلے واقف نہ تھا دور سے تماشہ کرنے لگا۔ میں نے سلام کیا، کہا اچھے ہو تو قریب آگیا۔
گفتگو سُنکر اُس جوان سے کہنے لگا کیا مسلمان اس واسطے ہوئے تھے کہ مسلمانوں ہی کی جیبیں کترو،
بیویاں پیرجی کے پاس چھوڑ آو، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا قصہ کبھی سنا ہے کہ سر کٹوا دیا مگر کسی سے
سوال نہ کیا! یہ بعینہٖ اسکی پنجابی کی اُردو ہے اور جس وثوق اور تحکّم سے کہا اُسکے بیان کرنے کی
مجھ میں طاقت نہیں۔ یہ نہایت مصروف لوگ ہیں، کسی سے دیر تک بات کرنے میں بھی ان کا ہرج
ہے مگر کوئی اچھے کپڑوں والا آسودہ حال ان سے برابری برتے تو اسلامی شان دیکھکر مست ہو جاتے
اور گھنٹوں تک اُسکے ساتھ رہتے ہیں۔ ذرا سی نیکی کرو تو ہر جگہ اشتہار دیتے ہیں، بات معقول
کہو تو فوراً مان لیتے ہیں۔ مَیں نے ارہ کش کو سلام کیا تھا تو دو گھنٹے کے بعد چھٹی کے وقت اپنے
دو اَور ساتھیوں کو لے آیا میں نے پھر سلام میں پہل کی اور کہا آؤ بیٹھ جاؤ تینوں بیٹھ گئے۔ نجار
تو تھے ہی دروازے پر دیسی زنجیر دیکھکر ایک بولا کہ انگریزی جوڑی پر ولایتی چھپکا ہی سجتا ہے۔
میں نے کہا بھئی جو مضبوطی اسمیں ہے چھپکے میں کہاں، وہ چھپکا بھی لگا تھا۔ بچّے نے دھکا دیا
اور ٹوٹ گیا۔ یہ زنجیر دس گنا مضبوط ہے اور قیمت دس گنا کم۔ مجھے یہ بتاؤ کہ فرنگی خون کا
آخری قطرہ نچوڑ کر لیگئے، روٹی پیٹ بھر کر نہیں ملتی، گھر میں چاندی کا چھلا تک نہیں رہا اور ابھی
تمہاری نظریں ولایتی چھپکوں پر ہیں۔ ان چند لفظوں کا وہ اثر ہوا جو "تعلیم یافتہ" طبقے پر ایک

وقت ہندوستان میں ہیں دس ہزار مرد اور عورت غالباً ایسے نہ ہونگے جن کی ٹھیٹھ انگریزی رہائش اور
جن کو اسلام اور قرآن سے دلی نفرت ہے ، دو لاکھ ایسے نہ ہوں گے جن کو برسرکار اور اعلیٰ تعلیم یافتہ
آپنے کہا ہے ، دو لاکھ نہ ہونگے جن میں علمائے دین کو آپنے شامل کیا ہے ، دس لاکھ ایسے ہرگز نہ
ہوں گے جو پیر پرستی اور قبر پرستی میں مبتلا ہیں اور جن کا تمام شغل پیری مریدی ہے ، پندرہ لاکھ
نوے ہزار ایسے نہ ہوں گے جو کچی تعلیم کے باعث انگریزی تہذیب کے دلدادہ میں - اس تیس لاکھ کو اور
بڑھا کر پچاس لاکھ فرض کر لیجئے اور اسمیں مجھ جیسے بُرے لوگوں ، نکموں ، بھک منگوں اور دوسری
قطع کے بے دینوں کو داخل سمجھ لیجئے - پچاس لاکھ اور آٹھ کروڑ کی نسبت ایک آنہ اور ایک روپیہ کی نسبت
ہے اور میرا اندازہ درست تھا کہ آپنے روپیہ میں سے پندرہ آنے کو نظر انداز کر دیا - یہ وہ لوگ ہیں
جن کا پیشہ صرف حلال روزی ہے ، نور کے تڑکے اُٹھتے ہیں اور خدا کا نام لیکر اپنے اپنے کام میں
لگ جاتے ہیں ، ہاتھ اور پاؤں کا کام کرتے ہیں ، مرد ہو یا عورت تمام دن انکو اُس دستکاری کے
سوا کوئی غرض نہیں جسکے بل پر تمام گھر کو روٹی نصیب ہوتی ہے ، اِن کے بچے بھی بعینہ
اسی انداز پر پرورش پا رہے ہیں ، ان کو صرف اپنے ہاتھ پاؤں پر فخر ہے ، بھیک مانگنے میں عار ہے مُنہ
میں صرف خدا اور پیغمبر کا کلمہ ہے ، کسی پیر سے لگاؤ نہیں ، کسی قبر پرستی کی طرف رجوع نہیں پسینوں
پر پسینے آتے ہیں مگر یہ مرد میدان اپنی ہٹ پر اڑے ہیں ، بھک منگوں ، پیر پرستوں ، سجادہ نشینوں
اور بیکار بندوں کو علانیہ مخول کرتے ہیں اور مرید کچھ کہے تو اُسکی گت بناتے ہیں - ان لوگوں میں عجب بیداری
ہے - ابھی کل ہی کی بات ہے کہ ایک بیس برس کا نہایت خوب صورت جوان موم جامے کے کاغذ پر
لکھا ہوا پرچہ میرے سامنے لایا - لکھا تھا کہ یہ اور اِس کا بھائی پہلے دولتمند اور بڑا خاندان سے تھے اب

آیا جب سمجھا کہ ان دین کے رہے سہے علمبرداروں کو کون دے گا جو ہم نہ دینگے۔ ہم نہ دینگے تو صبح کی اذان کی سُریلی آواز بھی کہاں رہیگی! الغرض یہی غریب اور پیشہ ور لوگ ہیں جو دین کی چھت کو تھام رہے ہیں۔ مدرسے والوں پر حصر ہوتا تو کب کی گری ہوئی ہوتی۔ اُنکی نہ کسی فرقہ بندی پر بحث ہے نہ آیت پر جھگڑا ہے، نہ مرشد سے لگاؤ ہے۔ سیدھی سادی نماز وغیرہ پڑھ لیتے ہیں اور تسلی ہے کہ مسلمان ہیں بلکہ مولوی کا جنت کا وعدہ بھی ہے۔ میں نے افریدیوں، مہمندوں، وزیریوں، بلکہ مصریوں، عربوں اور فلسطینیوں میں بھی اِس قطع کے مسلمانوں کو کثرت سے دیکھا ہے لیکن مولویانہ مذہب کی جو شدت ہندوستان میں ہے کہیں نہیں۔ ان لوگوں کو خیال ہے کہ حضرتؐ نے غریبی اپنی اُمت کیلئے خدا سے خود مانگی تھی، باقی اُمتوں نے دولت پسند کی تھی۔ میں اس اعتقاد کو سنکر ٹھرّا اُٹھا فوراً کہا بھئی! یہ پٹّی تم کو کس نے پڑھائی۔ حضرتؐ تو اُمت کو بادشاہ بنا کر گئے تھے اور ہزار برس تک اُمت بادشاہ ہی رہی! بعد میں سوچا کہ غریبی میں ایمان قائم رکھنے کا خوب صورت طریقہ ہے۔ کسی مولوی نے سمجھا ہوگا کہ ان کو دولتمند بنانا تو بس کی بات نہیں رہی پھر غیروں کی دولت دیکھکر دین کی محبت کیوں چھوڑیں۔ "الفقر فخری" کی حدیث تو ہے ہی، تاویل کرلیں اور جنت کا وعدہ دے کر ان کو غریبی میں مگن کردیں۔ الغرض یہ اُن کی عقیدت اور یہ اُن کا مذہب ہے۔ (باقی)

برس کی تقریروں سے نہ ہو سکتا تھا۔ آپسمیں اس "ایک لاکھ روپیہ کی بات" پر بحث کرنے لگے اور طے ہوا
کہ آگے کو ولایتی شئے جب تک کہ اسکے بغیر کام نہ چلے نہ لیں گے۔ میں نے کہا میں انیس۱۹ برس سے
یہی کر رہا ہوں تو بولے کہ خان جی! ہم کو کوئی بتلانے والا نہ تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سچ مچ مسلمانوں
کی اُمت کی جان ہیں، ان کے ہاتھ پاؤں کے عمل کو دیکھکر سہارا ہوتا ہے کہ قوم مردہ نہیں ہوئی، انکی
غریبی اور عسرت کے باوجود بے مثال جسمانی صبر اور تحمل کو دیکھکر شک پڑتا ہے کہ یہ کیونکر جیتے ہیں،
ان میں طاقت عمل کہاں سے آتی ہے، یہ اسقدر مطمئن اور خوش بخوش کیونکر ہیں، ان میں خدا کی اسقدر
بے توجہی کے باوجود خدا سے عقیدت کیونکر ہے، مسجدیں سر بسر انہی سے آباد ہیں، عیدگاہوں میں
ان کی نسبت دیکھ لیجئے، حاجیوں کے بندرگاہ پر انکے سوا کوئی نظر نہیں آتا، اللہ اکبر کے زندہ نعرے
انہی کے ہیں، نبی پر درود ہو تو گمان ہوتا ہے کہ دور سے جنّ بول رہے ہیں۔ مدرسوں کے پڑھے ہوؤں
کو کہا جائے تو شرم سے تنک کر اور گھنگھنیاں منہ میں لیکر گُن گُن کر جاتے ہیں۔ میں نے خود بہتیری مشق
کی ہے وہ خلوص اور زور ہرگز نہیں آتا! عید، عاشورہ، شب برات، ختم، مولود، بارہ وفات سب
انہی کے ہیں، زکوٰۃ انہی کی ہے، اماموں کی روٹیاں اور فقیروں کا آٹا انہی کا ہے۔ الغرض دینداری
جو کچھ بھی متعارف ہے انہی کے باعث ہے! ایک نووارد امام نے لاہور میں کچھ مدت ہوئی روزانہ روٹی کیلئے
اپنے چھوٹے سے یتیم بھتیجے کے ہاتھ مجھے خط بھیجا۔ کہا عیسائیوں کا محلہ ہے۔ مجھے چند روز ہی وہاں پر
رہنا تھا لیکن شرم سے اقرار کرتا ہوں کہ خط پڑھ کر میری نیت درست نہ تھی۔ جوش میں خیال تھا کہ امام
کما کر کھائیں۔ چند دوست بھی موجود تھے۔ بچے سے کہا چچا کو کہو خود آئے پھر انتظام کر دینگے۔ یہ بھی جھوٹ
تھا۔ غیر متمند کو اللہ نے دی ہی کی اور اسکو ٹال مٹول سمجھ کر نہ آیا یا بچے نے ہی درست پیغام نہ دیا۔ رنج بعد میں

تعمیر کرنا، اسکو اپنے ہاتھوں نیست سے ہست کرنا، اللہ کے اُس عظیم الشان اخلاق کی پیروی کرنا جسپر
اُسکو ہمیشہ سے ناز اور بجا فخر[۱] رہا اُسی کا ہے۔ اَور قوموں کے لوگ جو اس تخلق اور اس تخلیق میں ہندوستان
کے اندر حصہ لے رہے ہیں مقابلۃً صفر ہیں۔ اِسمیں شک نہیں کہ ساہوکار اپنی دکان پر آرام سے بیٹھکر اور
ایک تنکے کو دُہرا کرنے کے بغیر انہی دستکاریوں یا ولایت سے خریدے ہوئے مال کے ذریعے
سے ایک کے تین تین کر لیتا ہے، اونچے محل اُسی کے ہیں، موٹروں پر وہی چڑھتا ہے، گھوڑے
اور اصطبل اُسی کے ہیں، شہر میں دولت کی دھوم مچی ہے تو اسی کی ہے، مگر شام کے وقت وُہ پسینے میں
لتھڑا ہوا مزدور جو اپنی تنگ کوٹھڑی سے نکلکر، ہاتھ میں کچھ لیئے ہوئے، ساہوکار کے سلام کو آتا ہے اور
جسکے سلام کو لالہ جی اپنی مصروفیتوں کے باعث اچھی طرح قبول بھی نہیں کرتے، اگر اُسکے ہاتھ
کی طرف نظر کیجائے تو اُسمیں یدِ بیضا کا موسوی معجزہ ہے، اسمیں، بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ کی آسمانی وحی ہے، اسمیں
نِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ کی الٰہی کبریائی ہے، اسمیں اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ○ کی ربانی طاقت ہے، اسمیں خلّاقِ
عظیم کی قدّوسی صفت ہے! ایسے ہاتھ چومنے کے لائق ہیں، اُنکی سیاہ لکیروں یا جُھرّیوں کو دیکھکر
نفرت سے بولنا بکار اور حقیقت شناس شخص کا شیوہ ہرگز نہیں۔ پنڈت صاحب امید ہے مجھے معاف
فرمائینگے لیکن ہندوؤں، پارسیوں یا اور ہندی تاجر قوموں کی تجارت کی کسی شق کو لے لیجیئے معلوم
ہو جائے گا کہ یہ قومیں اوّل سے آخر تک صرف سرمایہ دار ہیں، زر کے زور سے زر کو کھینچتی ہیں، "اِدھر
لیا اُدھر دیا اور اپنا ٹکا کھرا کر لیا" کے اصول پر عامل ہیں، یا سود پر روپیہ دیدیا، بڑے کارخانے کھولدیئے،

[۱] قرآن حکیم میں ہے: وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ○ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ○ (۵۱: ۴۷-۴۸)
(ترجمہ) اور ہم نے ہی آسمان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ہم بڑی طاقت کے مالک ہیں اور زمین کو بھی ہم نے ہی فرش کر دیا تو دیکھو ہم
کیا ہی اچھے بچھانے والے ہیں ۱۲ [۲] قرآن حکیم میں ہے: فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ (ترجمہ) تو مجھ دکھاؤ کہ تمہارے خداؤں نے کونسی زمین پیدا کی؟

بارھواں باب

عام مسلمانوں میں کیا بے مثال صلاحیتیں اسوقت موجود ہیں

مصنف - لیکن ہندی مسلمانوں کے اس عظیم ترحصّے میں عظیم الشان قوم پھر بننے کی صلاحیتیں جو اس وقت موجود ہیں ایسی ہیں کہ کوئی دوسری قوم شمار کے لحاظ سے ان کے برابر نہیں۔ زراعت کا تمام پیشہ سربسر اُن کے ہاتھ میں ہے، مزدوری، حمالی، باربرداری وغیرہ اسمیں شامل کرلیجیے اور طاقت صحت، شجاعت، اور محنت کی اہلیت جو کچھ ان پیشوں میں ہے واضح ہے تکلیف برداری کی اسی استعداد کے باعث انگریزی فوج اور پولیس کی تین چوتھائی سے زیادہ ملازمتیں مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں۔ دستکاریوں اور ہاتھ کے پیشوں کے متعلق ابھی اشارہ کیا تھا لیکن اگر غور سے اُن تمام دیسی اور غیر دیسی دستکاریوں کا جو اسوقت ہندوستان میں موجود ہیں مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ کھدر کے بُننے والے جولاہے سے لیکر جرمنی کی وضع کے آئل انجن ڈھالنے والے انجنیر اور مٹی کے برتن بنانے والے کمہار سے لیکر وائسرائے کے دہلی والے محل کی چھت پر مینا کاری کرنے والے مصوّر تلک سب مسلمان ہیں۔ کشیدہ، قروشیہ، پُھلکاری، زردوزی، سلمہ، بنارسی اور کشمیری کام، طلاکاری، ظروف سازی، مینا کاری، کتابت، غالیچہ بافی، شال بافی، خیاطت، عمارت، گلکاری، لوہاری، نجاری، سنگ تراشی، صناعی، وغیرہ وغیرہ تمدن کے پیدا کیے ہوئے بیسیوں پیشے صرف مسلمان مردوں یا عورتوں کے ہیں۔ الغرض خلاقی انہی کی ہے، کسی شے کو بنانا، اُسکی تدبیر اور

دستکار پھر کبھی نہ بن سکے، حتّیٰ کہ ہندوؤں کی گذشتہ ہزار سالہ تاریخ میں ایک صنّاع، ایک دستکار، ایک پیشہ ور کا نام تاریخ میں مشہور نہیں۔ قرآن کریم میں اس الٰہی ارشاد کی زبردست حکمت کے اندر کہ "ہم نے آسمان کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا اور ہم بڑی طاقت کے مالک ہیں[1]" جو باریک نکتہ مسلمانوں کی ہدایت کے لئے تیرہ سو برس سے پیش نظر رہا ہے یہ ہے کہ انہوں نے بادشاہت کی کسی منزل پر بھی صنعت اور حرفت کو نہیں چھوڑا، اُنہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنانے اور اشیا کو خود پیدا کرنے میں طاقت کا راز صحیح سمجھا۔ بڑے سے بڑے سرمایہ دار اور ملک التجار ہونیکے باوجود بڑے سے بڑے صناع خود بنے رہے۔ آگرہ کی پتھر پر گلکاری، ڈھاکہ کی ململ، کشمیر کے شال، ایرانی اور ترکی قالین، بخارا کا ریشم، بنارس کا اطلس اور زربفت، مشہد کی لنگیاں، دمشق اور ٹولیڈو کی تلواریں اور فولادی اسلحہ، احمد آباد کی توپ سازی، وغیرہ وغیرہ وہ خالص اسلامی دستکاریاں ہیں جو تاریخ میں بے مثال شہرت حاصل کر چکی ہیں اور سب اُسوقت شروع ہوئی تھیں جب کہ مسلمان بادشاہ تھے، سرمایہ دار تھے، اُنکے جہاز انگلستان کے کناروں کو ٹکراتے تھے، اُنکے قافلے روس کے برفانی میدانوں میں چلتے تھے، ہاں جب وہ شہ نظر تھے اور سمرقند اور بخارا کی سلطنتوں کو معشوق کے سیاہ تل کے صدقے میں بخش دیتے تھے! بغداد کے دریبے میں نو کروڑ روپے کے ہیروں کی تجارت کرنے والی عورت کی دُکان تاریخ میں مشہور ہے اور مؤرخ لکھتا ہے کہ ایسی بلکہ اس سے زیادہ شان دار کم سے کم ستر دُکانیں اسی دریبے میں تھیں لیکن مسلمانوں کی تجارت کی اس شان و شوکت کے باوجود ہیروں کو رگڑ کر درست کرنے والے حکاک مسلمان تھے، زیورات کے بنانے والے زرگر مسلمان تھے، جڑاؤ زیور تیار کرنے والے جوہری مسلمان تھے،

---

[1] دیکھو قرآن کریم کی آیت صفحہ ۶۹ کے حاشیہ پر جس کا یہ ترجمہ ہے ۱۲

کرایہ سے کمالیا یا زمینیں خرید لیں، وغیرہ وغیرہ۔ مگر مسلمان ہیں صرف ہاتھ کا زور ہی، ہُر کاری اور ہُنر کا زور ہے، اپنی دستکاری سے عشق ہی، اپنی ہمت اور دست و بازو پر بھروسہ ہے۔ وُہ پیشے اُسکے ہاتھ میں بہت کم ہیں جسمیں صرف اِدھر لینا اور اُدھر دینا ہے۔ دُکان پر جم کر بیٹھنے، پیسہ پیسہ جوڑنے، ہاتھ پر ہاتھ دھر کر گاہک کا منتظر رہنے اور خوشامد کی باتوں سے سودا بیچنے کی طرف اُسکی طبیعت کا لگاؤ ہی نہیں مسلمانوں نے یہ پیشے بادشاہت کے زوال کے بعد حالات سے مجبور ہوکر ہرگز قبول نہیں کیئے جیسا کہ عام غلط فہمی ہے، نہ ہندؤوں میں پہلے موجود تھے اور اُنہوں نے اپنے مالی عروج کو دیکھکر یک لخت ترک کر دیئے مسلمانوں کا یہ خوبصورت اخلاق نہایت قدیمی ہی، اسلام کی تعلیم سے پیدا ہوا، نبیؐ کے اُسوۂ حسنہ اور علمائے دین کی تبلیغ سے قوم کی رگ رگ میں رچ گیا کسی سیدھے سادے مسلمان سے پوچھ لیجئے کہیگا ہمارے حضرتؐ نے بیلچہ اُٹھایا تھا، ہمارے نبیؐ کی بیبیوں نے چکی پیسی تھی، ہمارے رسولؐ نے مزدوری اور تجارت کی تھی۔ بادشاہت کے عین عروج کے وقت بھی مسلمانوں میں فریدالدین عطارؒ، عمادالدین کاتبؒ، محمود الوراقؒ، عمر خیامؒ کثرت سے موجود تھے، وہ اِن پیشوں پر فخر کرتے تھے، بلکہ بادشاہِ وقت خود ٹوپیاں کاڑھ کر اور قرآن لکھکر ان پیشوں کی شاہانہ تربیت کرتے تھے۔ ہندؤوں نے سلطنت کے چلے جانیکے بعد ڈیڑھ ہزار برس سے اِن پیشوں کو کبھی قبول نہیں کیا۔ اشوک اعظم اور بکرماجیت کے وقت میں وہ سرمایہ دار اور دستکار دونوں تھے لیکن بعد میں زراعت کو کبھی مستقل فن نہ سمجھا، فوج اور پولیس میں کچھ بھرتی نہ ہوئے، دستکاریوں سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ مسلمانوں کے عہد میں وہ صرف سرمایہ دار، بقال اور دُکاندار رہ گئے، یا شاہی ملازمتیں اور علمی منصب اُنکے ہاتھ میں تھے۔ یہی ان کا شیوہ آجکل ہی۔ لیکن انگریزوں یا اور بادشاہ قوموں کی طرح وہ خود ہی سرمایہ دار اور خود ہی مزدور اور

اِس سوال پر کہ اُس نے مزدوری کیوں قبول کی، کہا کہ انگلستان کی تمام شیخی ہم صناعوں اور مزدوروں کی وجہ سے ہی، اگر ہم نہ ہوتے تو انگلستان کو کون بڑا کہتا۔ الغرض حرفت کا موجود ہونا قوم کی اصلی زندگی ہے اور مسلمانوں کی یہ صلاحیت قطعاً بیمثال ہے۔ اِسی سے ملک کی طاقت بلکہ سیاست کو سچا فروغ ہے۔ ہندو بھائی تو سرمایہ داری اور غیر ملکی مال کے بیچنے پر قانع تھے ہی، اگر مسلمان بھی محنت اور پسینے کی کمائیوں کو چھوڑ دیتے، اُن رہی سہی حرفتوں کو خیرباد کہکر روپیے کے چنے بیچتے رہتے تو آج ہندوستان ہرگز بڑا نہ ہوسکتا، ہرگز ترکِ موالات اور سول نافرمانی کی تحریکوں کو شروع نہ کرتا، ہرگز غیر ملکی مال کو بائیکاٹ کرکے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا دعوےٰ نہ کرتا۔ ابھی تین مہینے نہیں گذرے کانگریس کے بڑے رہنما گاندھی جی نے کراچی کے اجلاس کے موقع پر صاف اور غیر مشکوک لفظوں میں اعلان کیا کہ ہندوستان میں چرخے سے سوت کاتنے والے اور کھدر بُننے والے سب سے زیادہ مسلمان ہیں اور انہیں مسلمان عورتوں کا حصہ بہت زیادہ ہے گویا اگر اس زیادتی کو صرف ساٹھ فیصدی ہی مانا جائے اور آبادی کے تناسب کے سوا کسی دوسرے محرک کا لحاظ قطعاً نہ کیا جائے تو بھی مسلمانوں نے کانگریس کی حرکت کو صرف اس نقطۂ نظر سے مفید بنانے میں ہندوؤں سے ساٹ گُنا زیادہ حصہ لیا، اور قربانیاں جو ہندوؤں کے ساتھ ساتھ کرتے رہے اِسکے علاوہ ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اِسکے یہ معنی ہیں کہ آج جو سیاسی عروج ہندوستان کو پچھلے بارہ برس کی بے مثال کوشش سے ہوا ہے، جو شدید مالی نقصان انگریزوں کو غیر ملکی مال کے بائیکاٹ سے پہنچا ہے، بلکہ جس حیرت انگیز طریقے پر انگریزوں کی سلطنت کی بنیادیں ہندوستانیوں کے متحدہ عمل سے ہل چکی ہیں اور حکومت کے محلوں میں رہنے والوں کو نیند نہیں آتی، اگر اسکا سچا اور اصلی باعث دریافت کیا جائے تو وہ مسلمانوں اور بالخصوص مسلمان عورتوں کی محنت کا پسینہ ہے! بعض ناحقیقت

حتیٰ کہ ریشم کے دھاگے میں زیورات کو پرونے والے پٹوے بھی مسلمان تھے ۔ دہلی کے چاندنی چوک کا شیش بازار جس کی تصویر اورنگ زیب کے وزیر دانشمند خاں کے فرانسیسی منشی برنیر نے اس خوبی سے کھینچی ہے اسمیں برنیر لکھتا ہے کہ دستکاریوں کی کثرت اور کاریگروں کا ہجوم لندن اور پیرس کی رونق کو قطعًا مات کر دیتا تھا ۔ اِن پیشوں کو ادنیٰ سمجھ کر مسلمانوں نے ذمیوں یا محکوم رعیت کے سپرد نہیں کیا بلکہ اوّل سے تا آخر صحیح معنوں میں تاجر رہے ، اپنے پیارے نبیؐ کے پیارے پیشے کو ہر ممکن طریقے سے انتہائی عروج پر پہنچا دیا ۔ پس میرا یقین ہے کہ آج بھی جبکہ اُن کی بادشاہت اور سرمایہ داری باقی نہیں رہی ہندوستان کی اصلی طاقت کا سرچشمہ مسلمان ہیں ، یہی اُن کی سب سے بڑی اور بے مثال صلاحیّت ہے ، اس صلاحیّت کے اندر صحیح قوّت ، ملکی سیاست بلکہ بادشاہت کا راز ہے ۔ مغربی ملکوں میں جہاں تجارت کو اعلیٰ پیمانے پر برقرار رکھنے کے لیئے سرمایہ داری کی جنگ لگی ہے وہاں مختلف قوموں کے کاریگروں کے درمیان صنّاعی اور حرفت کی جنگ اس سے کہیں بڑھ کر ہے ۔ مشہور اور بدقسمت ہوائی جہاز " آر ۔ ۱۰۱ " کی تنومیل سفر کے بعد ہولناک تباہی اور اپنے ہنر کی اسقدر شیخی بگھارنے کے بعد اِسقدر شرمناک نتائج سے جو زک انگریزوں کو صنعتی اور تجارتی بلکہ سیاسی دنیا میں ملی ہے اُسپر قوم پچاس برس تک اُنگلیاں کاٹتی رہے تو تھوڑا ہے اور بالمقابل اِسکے مشہور جرمن ہوائی کشتی " ڈی ۔ او ۔ ایکس " کے تمام دنیا کے کامیاب سفر کے بعد جرمنوں کی بیمثال کاریگری کا جو ڈنکا ہر طرف بجا ہے اُسپر ایک دنیا انگشت بدنداں ہے ۔ اس حیرت انگیز شکست فاش کے بعد انگریزوں کے متعلق عام خیال ہے کہ اُنکی تاجرانہ شہرت کے دن گنے جا چکے ہیں ۔ مجھے لندن میں ایک انگریز کاریگر نے جس کا بھائی حکومت کے اعلیٰ عہدہ پر تھا اور جو اُس مکان میں کام کرتا تھا جس میں مَیں مقیم تھا ، میرے

کھدر پہنیں اور کانگریس کی مدد کرنے سے اُن کے ایمان کی طاقت کو نہ سمجھا یہ راز نہ کھلا لیکن مسلمانوں کی ان
بے مثال صلاحیتوں کی مدح سرائی کا خاتمہ نہیں پر نہیں ہوتا اور نہ میں اس بات کے تسلیم کرنیکے لئے تیار
ہوں کہ مسلمان اپنی قوم اور ملک بلکہ دنیا کی سیاست سے بیخبر ہیں۔ جو سیدھی سادی دینداری ان
حرفت پیشہ اور زمیندار لوگوں میں ہے اسکے متعلق مفصل کہہ چکا ہوں لیکن ملک اور قوم کی سیاست کو
پیش نظر رکھکر یہ وہ عملی دین داری اور حیرت انگیز باخبری ہے جسکی مثال کسی دوسری قوم میں موجود نہیں
انہی لوگوں نے ابھی تھوڑی دیر ہوئی خلافت کی تحریک کے ضمن میں اپنے رہنماؤں کے سامنے اسی لاکھ
سے زیادہ روپے چند مہینوں کے اندر ڈھیر کر دیئے، خلیفۃ المسلمین کی دگرگوں حالت سے اسقدر متاثر
ہوئے کہ عورتوں نے رو رو کر کنگن اور بالیاں اُتار دیں، مردوں نے پگڑیاں اور کرتے پھینک دیئے،
بچوں اور بچیوں نے اپنے جمع کیے ہوئے پیسے قدموں پر ڈال دیئے۔ یہ پیٹ سے بھوکی اور تن سے
ننگی "بے خبر" قوم کا کرشمہ تھا اور جس تحریک کے ضمن میں دنیا ایسی تھی [illegible] کے اندر نہ تھی، جس کا اثر چار ہزار
میل پرے پڑتا تھا اور جس کا تمام دنیا کے باقی مسلمانوں سے اُتنا ہی [illegible] تھا۔ برخلاف اسکے عین اسی وقت
ہندوستان میں سیاسی ہنگامہ برپا تھا، جلیانوالہ باغ کے خونناک قتل عام نے ملک کے ایک سرے سے
دوسرے سرے تک غم و غصہ کی لہر دوڑا دی تھی، ہر طرف سوراج سوراج کی صدائیں آتی تھیں۔ ہندوؤں
کا سب سے بڑا رہنما اس تحریک کا صدر تھا ہندو اور مسلمان آپس میں شیر و شکر تھے، اور وطن کی آزادی کے
لئے چندہ کی اپیل تھی۔ آسودہ حال اور سرمایہ دار ہندوؤں نے باوجودیکہ انکی تعداد انکے اپنے قول کے مطابق
تین گنا زیادہ تھی صرف ایک کروڑ پچیس لاکھ روپے دیئے اور اس چندہ میں نہ صرف مسلمانوں کی ایک نہایت
معقول تعداد دوبارہ داخل تھی بلکہ آبادی کے باقی چار کروڑ نفوس بھی شامل تھے۔ چندہ خاص وطن کو آزاد

شناس لوگ اس پسینے کی قدر نہ کریں، اسکو حقیر سمجھکر پاؤں سے ٹھکرا دیں، اسکو الٹا اس رنگ میں پیش کریں کہ کانگریس کے پروپاگنڈا اور بیمثال رسوخ نے کھدر کا ملک میں پرچار کیا، پرچار سے ملک کھدر لینے کیلئے تیار ہو گیا اور ان غریب جُلاہوں کو بھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوا، انکو کون پوچھتا ہے، اِنکی کیا حقیقت ہی کہ لندن کے شاہی محلّوں کے بلند نشینوں کی نیندیں حرام کر دیں، وغیرہ وغیرہ۔ ہاں غریب اور بے بس کی وکالت کون کرتا ہی اور سرمایہ دار کے بالمقابل مزدور کی کیا مجال ہے کہ اپنی بات کہہ سکے لیکن پیٹ بھر کر کھانے والے کانگریسی ممبروں پر، جو اگر کروڑ نہیں تو لاکھوں کی تعداد میں ضرور ہیں اور چار آنے سالانہ چندہ بھی دیتے ہیں، کانگریس کی سختی کے ساتھ اِس بندش کے باوجود کہ وہ دو ہزار گز سوت روزانہ کاتیں اگر مسلمان عورتوں اور مَردوں نے غیر کانگریسی ہو کر سب سے زیادہ سوت کاتا ہے تو اسکے یہ معنی ہیں کہ خود کانگریس کے لکھو کھا ممبر سیاست دان، ہوشمند اور باخبر ہونے کے باوجود باہم ملکر ہندوستان کا آدھا سُوت بھی نہ کات سکے اور اگر کاتا تو انہی چند پیٹ کے بھوکے بیخبروں نے کاتا، اگر وقت پر مدد کو پہنچے تو یہی تھوڑے سے بے سروسامان لوگ پہنچے، اگر چرخہ کو ہندوستان کی سیاسی توپ سمجھ کر استعمال کیا تو انہی نے کیا۔ اِس صورت میں کانگریس کے نرے پرچار کی کیا حقیقت باقی رہجاتی ہے حقیقت یہ ہی کہ ہندوستان میں یہ حرفت موجود تھی، چرخہ کو چلانے والے اور شرم نہ کرنے والے لوگ کافی تھے اسلئے کانگریس دشمن کو نقصان پہنچا سکی۔ اگر حرفت موجود نہ ہوتی تو دو ہزار گز سُوت کاتنے کے حکم یا لفظی پرچار سے یہ نقصان ہرگز نہ پہنچ سکتا۔ بنگال کے مسلمان سُوت کاتنے والے اور جلاہے دیر سے مومن کہلاتے ہیں میں حیران تھا کیا بات ہی اور کہاں سے یہ القاب ان کو ملا۔ جب تک حضرت عمرؓ کے اپنی فوج کو حکم کی حقیقت کہ

سوراخ کر رہے تھے۔ بے درد، اور بے درد بھی کیا جوش میں اندھے ہوئے ہوئے رہنماؤں نے انجام نہ سمجھا
اِس تحریک کے ایک بڑے رہنما کو ہر روز تنبیہ کرتا تھا کہ "ہوش کرو کس کی سند اور کس کی تحریر پر ان اسلام
کے جانبازوں کو خیبر کے پار دھکیل رہے ہو، خود کابل جاکر آخر تک جو بات ہو نظم و نسق سے طے کر آؤ،
سپاہی بھیج رہے ہو تو سپہ سالار کے حکم کا انتظار کرو، اللہ کے کاموں میں ایک پل، ایک خوشہ، ایک
ذرہ کا فرق نہیں ہوتا، پھر سب کام کیوں با ترتیب نہ ہو، جو جائے اُسکے پاس شاہی پروانہ ہو، حکومت
کی طرف سے داخل ہونے کی اجازت ہو، صرف دردمند اور مفید لوگ جائیں، مفسدوں اور مخبروں کو راہ نہ دو،
پشاور کی گلیوں میں بچوں کا گیت "چلو مسلمانو سوئے کابل امیر صاحب بُلا رہے ہیں"۔ کافی سند ہرگز نہیں
خیبر سے کابل تک اور کابل سے کابل کی غریب حکومت تک بڑا بے رحم اور مشکل رستہ ہے اور بوڑھے بچے
بچیاں ہزاروں ساتھ ہیں" مگر اُس نے ایک نہ سُنی، وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ
فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ [1] کی آیت پیش کر کے کہا کہ ہمارا فرض اِن مہمانوں کو کھانا کھلا کر
خیبر کی حد تک پہنچا دینا ہے، آگے کا خدا مالک ہے۔ میں کہتا تھا اللہ اکبر! ایک پل اِدھر نہ اُدھر سورج کو چڑھانے
والے منتظم اور صاحبِ تدبیر خدا سے مسلمانوں کی کیا غلط فہمی اور قرآن سے کیا مخول ہے۔ بہر نوع یہ وہ
ایثار تھا کہ اِسکی مثال دوسری قومیں کیا تیرہ سو برس کی مدت میں خود مسلمان کم پیش کر سکتے ہیں اور
یہ بھی اِنہی غریب پیشہ لوگوں کا کرشمہ تھا کہ خیبر کی سڑک پر لاشوں کے پُشتے لگ گئے مگر کابل بلکہ قفقاز
اور انگورا سے ورے دم نہ لیا، بلکہ سندھ کا ایک بڑا رئیس جو صدہا آدمی ساتھ لیکر آیا تھا اسی کشمکش
میں ہلاک ہوا۔ خلافت اور ہجرت کی حرکتیں ایسی تھیں جن میں مذہب کا اثر شاید زیادہ نمایاں تھا

[1] اور جن لوگوں نے دشمنوں کے ظلم کے بعد خدا کی راہ میں ہجرت کی ہم انکو ضرور بالضرور دنیا میں عمدہ پناہ دینگے اور آخرت کا اجر تو اس سے بھی بڑھکر ہے
دیکھو قرآن کریم (۱۶ : ۴۱)

آزاد کرانے کے لیئے تھا، سرمایہ داروں کی قوم کو بادشاہ بنانے کیلئے تھا، دُور کے دوست کو مصیبت میں مدد دینے کے لیئے نہ تھا! اصل یہ ہے کہ مسلمان ابھی جسم کے اندر سے مُردہ نہیں ہوئے، ابھی زندگی کی پوری استعداد باقی ہے، حیات کے آثار باطن میں ہیں، مُردہ اُس وقت ہونگے جب انگریزی تعلیم کے ذریعے سے دین داری، تہذیب کی چمک سے مذہبی حس اور دوسروں کی دولت کو دیکھکر محنت اور جفاکشی چھوڑ بیٹھیں گے۔ "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ" کی مشہور حدیث میں یہی عظیم الشان حکمت ہے، اِسی کا دوسرا نام توحید ہے۔ لیکن اسمیں شک نہیں کہ بعض ہولناک بیماریوں میں مبتلا ہیں، بعض دردناک نقص ضرور ہیں، اس لیئے مُردوں کی کیفیت ہے بلکہ مُردوں سے بدتر ہیں۔ یہی مالی قربانی فقط نہیں بلکہ اِسی خلافت کی تحریک کے ضمن میں چند ناانجام شناس مسلمانوں نے ہُو کردی کہ ہندوستان "دارالحرب" ہے، "دار الاسلام" نہیں رہا۔ دارالحرب اور دارالاسلام کا جھگڑا صرف زور آور اور مسلح قوم کو سجتا ہے مگر یہ زور دیتے رہے کہ دارالحرب ہے اور چونکہ مسلمان عاجز ہیں اسلیئے اُن پر شرعاً لازم ہے کہ ہندوستان سے افغانستان کی طرف ہجرت کرجائیں۔ دیوانہ کو ہُو کافی ہے، ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کُہرام مچ گیا۔ ایک لاکھ مرد، عورتیں اور بچے چند مہینوں کے اندر پشاور میں جمع ہو گئے۔ ہزارہا انسانوں نے آنکھ کی جھپک میں اپنے گھربار، زمینیں، جائدادیں، مویشی کوڑیوں کے مول بیچ دیئے۔ مجھے ذاتی علم ہے کہ ایک بھینس دو دو روپیہ کو اور ایک جریب زمین پانچ روپیہ کو بکی۔ بیل گاڑیوں پر چارپائیوں کے چھپروں کے نیچے، جون جولائی کی گرمی میں، مسلمان سرفروشوں، پردہ دار عورتوں، کنواری لڑکیوں، مدرسے سے نکلے ہوئے بچوں، کھانا پکانے کے برتنوں، حتیٰ کہ بکریوں اور مرغیوں کا ہجوم، وہ دردناک نظارہ تھا کہ آنسو نہیں تھمتے تھے۔ میلوں تک بیل گاڑیوں کی قطاریں روزانہ چلتی تھیں، اللہ اکبر کے نعرے آسمان کو

سے دیکھا کہ مسلمانوں کی نبض نہ جاننے والا مورخ ایک مدت تک انگشت بدنداں رہیگا۔ آٹھ کروڑ مسلمانوں کی نصف تعداد تو چار دیواری میں بند ہے یا گھونگھٹ لیئے بیٹھی ہے۔ اسکے باوجود بارہ ہزار مسلمان تو برنواللہ اکبر کہتے ہوئے جیلخانوں میں چلے گئے لیکن بائیس کروڑ ہندو عورتوں اور بچوں کو ساتھ ملانیکے باوجود صرف چالیس ہزار پیش کرسکے! یہ کھلے دل سے اندازہ ہے، اخباروں میں شائع ہوچکا ہے اور ہندوؤں کا اپنا لگایا ہوا ہے۔ ادھر یہ حال تھا اور ادھر سرحد کے پار آزاد قبائل کے نکتہ سنج پٹھان نیزہ کی چوٹیوں اور گندھاو کے میدانوں میں بیٹھے اپنے سینوں پر شوق سے کانگریس کا نشان ٹانک رہے تھے۔ قصہ خوانی کے ہولناک قتل عام کے بعد آفریدیوں نے شاہِ کابل کی مرضی کے خلاف دو دفعہ پشاور پر حملہ بول دیا۔ مہمندوں نے شب قدر پر مورچے جما دیئے، وزیریوں اور باقی قبائل نے الگ الگ محاذ قائم کیئے۔ الغرض جیسا بھی ہوسکا ان بے یارومددگار قوموں نے ہندوستان کی آزادی کی تحریک کو اخلاقی مدد دینے کی غرض سے سرحد پر ایک اچھی خاصی جنگ کی صورت پیدا کردی بعض غیور سرحدی رہنماؤں نے جو رعیت تھے صوبہ سرحد کے اندر صدہا زمینداروں کے کپڑے سرخ کرکے انگریزوں کے اوسان خطا کردیئے، "سرخ خطرے" کے مشہور مگر نظر نہ آنیوالے ہوّے کو سچ مچ حکومت کے سامنے لا کھڑا کردیا۔ سرحد کے باشندوں کی دردناک تکلیفوں اور جانی قربانیوں کے باعث اس تحریک کو وہ عام اشتہار بلکہ حکومت کو وہ اصلی خطرہ محسوس ہوا کہ بالآخر انگریزوں نے کانگریس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ مسلمانوں کو اس قومی جنگ یا برادرانہ خدمت کے عوض میں آگے چلکر جو کچھ وصول ہوگا دیکھا جائیگا۔ لیکن انکی سیاست دانی اور تیز نگاہی کا یہ آخری کارنامہ ایسا ہے کہ اپنی شانداری میں قطعاً بے مثال ہے اور یہ امر قطعی ہے کہ اگر مسلمان اور بالخصوص آزاد قبائل اس حرکت میں اس ذوق وشوق سے شامل نہ ہوتے تو ہندوؤں کی اکیلی سیاست کا نتیجہ مختلف ضرور ہوتا، انگریز اس نرمی اور لجاجت سے ہندوستانیوں کے آگے کبھی نہ جھکتے، خود اپنے

لیکن میں زور سے کہوں گا کہ ان میں مذہب آٹھ آنے تھا تو آٹھ آنے ضرور سیاست بھی تھی علیم مسلمان مذہب ہی کی وجہ سے سیاست میں اسقدر طاق ہیں کہ انکو سیاست کا علیحدہ سبق دینے کی ضرورت نہیں رہی۔ انکی تیز نگاہیں مذہب کی ہر تحریک میں سیاست کو سب سے پہلے دیکھتی ہیں بلکہ خالص سیاسی حرکتوں میں بھی ان کا قدم تیز تیز ہی ہے۔ کھدر کو بڑی مقدار میں پیدا کرنے کی تحریک میں مسلمان پیشہ وروں نے جو حصہ لیا اس کا ذکر ابھی کر چکا ہوں لیکن سول نافرمانی کی خالص سیاسی تحریک میں جو ڈیڑھ سال سے جاری ہے اور جس نے بالآخر انگریزوں کی مغرور سیاست کو بالکل عاجز اور سپر انداختہ کر دیا مسلمان نے جو کچھ کیا اس سے بھی زیادہ شاندار رہے۔ اس حرکت میں رہنماؤں کا ایک مقتدر طبقہ مسلمانوں کے شامل ہونیکے متعلق اوّل سے آخر تک نہ نہ کرتا رہا، قوم کو باز رکھنے بلکہ نفرت دلانے اور مقابلہ کرانے کی غرض سے اسکو ہندوؤں کی ذاتی اور مسلمانوں کو تباہ کرنے والی تحریک جتلاتا رہا۔ قریبًا تمام اسلامی اخبار اسکے مخالف تھے، بڑے بڑے لیڈر ہر جگہ وعظ کہتے رہے، حکومت نے اپنے کارفرما مختلف لباسوں میں اسقدر چھوڑے ہوئے تھے کہ وہ ہر رنگ میں اسکے خلاف لگاتار پروپاغنڈا کرتے رہے، ہندو اور مسلمان کئی جگہ پر لڑے، مذہبی فساد نمودار ہوئے، خون کی ندیاں آپس کی لڑائی میں بہیں، درگاہوں اور پیروں کی گدیوں سے فتوے لیے گئے مسلمانوں کا ایک بڑا اور ہر دلعزیز رہنما مرض الموت میں گرفتار ہونیکے باوجود گول میز کانفرنس میں (جو بالآخر گول نہیں بیضوی میز ثابت ہوئی) چھ ہزار میل سفر کی بے مثال تکلیف برداشت کرکے شامل ہوا، ہندوؤں کو کہا گیا ایلو وہ پٹھان آگئے اب تمہاری دولت اور تمہاری عورتوں کی خیر نہیں۔ الغرض اُلٹے سیدھے سب جتن کیئے، مگر مسلمانوں نے اس عظیم الشان اور بے مثال تحریک میں بہ وہ عظیم الشان اور بے مثال قربانیاں کیں اپنے عزیز رہنماؤں کی نرم نرم باتوں کو خوب سمجھ کر، اسقدر کم توجہ کی، انکے دم دلاسوں کو اس بے پروائی

نہ تھی، اصلاح نفس سے بنا ہوا مذہب نہ تھا، اصلاح نفس والی نتیجہ خیز ہجرت نہ تھی، اصلاح نفس والا اجماد نہ تھا، اصلاح نفس والی سیاست نہ تھی، اصلاح نفس کے پیدا کیئے ہوئے کارکن نہ تھے، اصلاح کا پیدا کیا ہوا رہنما نہ تھا، اصلاح نفس سے نکلا ہوا اتحاد نہ تھا، ایک امیر کی اطاعت نہ تھی، ایک مرکز سے بستگی نہ تھی، ایک بات پر اجماع نہ تھا، ایک غرض اور ایک ارادے کی طرف رخ نہ تھا، شیرازے کی درستی نہ تھی، اصلاح نفس کا بنایا ہوا نظم ونسق نہ تھا، نظم ونسق کا پیدا کیا ہوا استقلال نہ تھا، رہنماؤں کے دل پاک نہ تھے، سپاہیوں کے نفس آلودہ تھے، فوج کی نیت بگڑی ہوئی تھی، جرنیل برے تھے، آپس میں دلوں میں دشمنی تھی، ہندوؤں سے دلوں میں دشمنی تھی، انگریزوں سے دلوں میں دشمنی تھی، پرپرزے سب موجود تھے مگر ہر پرزہ مشین کی اصلاح کے بغیر خود چلنا چاہتا تھا۔ یہ آلائشیں جب تک دل میں ہوں خدا اُس دل میں آباد ہونا کب گوارا کرسکتا ہے اور دل میں بیٹھکر فتح دینے والا خدا فتح کب دے سکتا ہے۔

پس جس قوم میں مذہب اور سیاست دونوں موجود ہوں اور دونوں کے زندہ ہونیکے باوجود ہر طرف گھاٹا ہی گھاٹا نظر آئے، دونوں کے ہوتے ہوئے قوم اُلٹی کمزور ہوتی جائے، اُسکی سیاست سے اور قومیں فائدہ اٹھائیں، اُسکے مذہب سے سراسر نقصان ہو، اسکی محنت اور شجاعت دوسروں کے لیئے ہو اور اپنے لیئے کچھ بھی نہ ہو، نہیں، جس قوم میں انتہائی غریبی کے باوجود اسّی لاکھ روپیہ دے کر کچھ بنتا نظر نہ آتا ہو، کنگن اور بالیاں، پگڑیاں اور کرتے پھینک کر بھی بگڑی نہ بنے، خدا بگڑا نظر آئے، لاشوں کے پشتوں کو دیکھکر رحیم نہ بنے، معصوموں کو مہاجر دیکھکر کرم نہ کرے، پسینوں میں تر بتر دیکھکر فضل نہ کرے، پیٹ پر پتھر دیکھکر نرم نہ ہو، بھوکوں کو اور بھوکا کرتا جائے، زور والوں کو اور زور دیتا جائے، ایسی قوم کے لیئے اصلاح نفس کی تحریک کے اندر خود بخود وہ دلچسپی ہے جو تھیٹر کے

قاصد بھیج بھیج کر قید کردہ رہنماؤں کو کبھی نہ منواتے، اس جنگ کو طول دے کر ہندوستان کی غیر مسلح سیاست پر آخری اور کاری ضرب لگانے کی سعی کرتے۔ چرخہ کی سیاسی قوت اس قدر کمزور اور بے اثر ثابت ہوئی تھی کہ فوج، پولیس اور حکومت کے دفتری کارندوں میں سے تو ایک بھی نہ بگڑا۔ "انقلاب زندہ باد" کے نعروں سے آسمان کو سر پر اٹھا لینے کے باوجود حکومت کا ایک ادنیٰ پرزہ بھی ادھر اُدھر نہ ہو سکا۔ حکومت نے اگر ڈر کر صلح کی تو صرف کابل اور سرحد کے زور پر کی۔ مجھے ہندو یا مسلمان سے بحث کبھی نہیں ہوئی۔ میرے نزدیک جو کچھ حقیقت ہو اُس کا بے خطر اظہار ہے۔ منظّم اور باخبر دشمن سے آزادی کا لینا میرے نزدیک چرخہ کے دستِ قدرت سے قطعاً باہر ہے۔ (باقی)

تیرھواں باب

تمام ناکامیوں کا باعث اصلاح نفس کا نہ ہونا ہے

مصنّف۔ الغرض مسلمانوں کی صلاحیتیں روز روشن کی طرح واضح ہیں، اُن کے اندر قوم کو پھر بڑا بنا دینے کے سامان موجود ہیں، اِنکو تسلیم کرنیکے لیے کسی بحث کی ضرورت نہیں، اِن سے واضح ہو کہ مسلمانوں کے ایک بڑے سے بڑے حصّے کے اندر مذہبی حس موجود ہے، صنعت اور حرفت ہے، بے مثال محنت اور شجاعت ہے، غریبی کے باوجود حیرت انگیز ایثار مال بھی ہے، وقت اور موقع پر سیاست بھی ہے، جانی قربانی بھی ہے، دین کو بڑا بنانے کے لیے وطن سے ہجرت بھی ہے، آزادی کی سب تحریکوں سے دلچسپی اور لگاؤ بھی ہے لیکن یہ سب حرکتیں بیکار اس لیے گئیں کہ قوم میں اصلاح نفس

کے اندر جو احساس تکلیف برداری کا مادّہ اور اضطراب اِس وقت موجود ہے اُس کا عکس اِن میں ضرور ہونا چاہیئے۔ اگر باوجود اِن تمام باتوں کے قوم اِن سے بدظن ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں صحیح نشر و اشاعت اور اخباروں کے کارکنوں میں قوم کو بڑا بنانے کی سیاست موجود نہیں۔ اخبارات کے مالک اشتہاری دوا فروشوں کی طرح صرف اپنے اخبار کی نکاسی کو بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں مگر نہیں بڑھتی۔ ایڈیٹروں کو جو تنخواہیں اِس حالت میں اِن سے ملتی ہیں نہایت قلیل بلکہ مضحکہ انگیز ہیں اور اسکے باوجود مالکوں کا رویہ اِن سے ایسا ہے کہ دشنام پر خلعت دینا تو خیر، جب چاہیں سلام پر رنجیدہ ہوکر رخصت کردیں، آگے کو دس دن ملازمت کا اطمینان نہیں۔ ایسی حالت میں جو سیاست اور قومی عظمت یہ اخبار پیدا کرسکتے ہیں ظاہر ہے۔ ایڈیٹر کو قوم کی آیندہ عظمت کا بنانے والا اور مختار کار سمجھ کر مالک اگر اِن سے سلوک کرے تو اِن کے دماغ روٹی کی فکر سے کیوں خالی نہ ہوں، اِن میں صحیح سیاست کیوں پیدا نہ ہو، قومی اچھائیوں کا صحیح اشتہار کیوں نہ ہو، شخصی اور انفرادی برائیوں سے کیوں درگذر نہ ہو۔ ایڈیٹر اور حکومت کے وزیر اعظم کا مقام دراصل ایک ہی ہے اگرچہ اُن کے عمل کے میدان مختلف بلکہ ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ وزیر اعظم رعیت کے بالمقابل حکومت کا وکیل ہے تو ایڈیٹر حکومت کے مقابلے میں رعیت کی وکالت کے لیئے ہے۔ دونوں کی پولیسی اور طرز عمل ایک ہے۔ وزیر اعظم حکومت کے افعال کو خوش آیند الفاظ میں پیش کرکے حکومت کی طاقت اور رعایا پروری کا خیال لوگوں پر بٹھائے رکھتا ہے، جو خامیاں یا غلطیاں سلطنت میں ہوں اُنپر حتی الوسع پردہ ڈالتا ہے اور کسی رنگ میں حکومت کی ہوا اُکھڑنے نہیں دیتا۔ ایڈیٹر کا مقام بھی اپنی قوم کے حق میں یہی ہونا چاہیئے۔ قوم کی عزت شرف اور طاقت کی ہوا بنی رہے تو قوم بن سکتی ہے۔ مذاق ضد یا حسد کے

بڑے سے بڑے تماشے میں ہرگز نہیں، صرف مذہب کے ٹیڑھے سرے کو موڑ کر درست کر دینا ہی، صرف سیاست کی مُڑی ہوئی دھار کو ذرا سیدھا کرنا ہے۔ یہ ہو گیا تو نتیجوں کو دیکھکر مسلمان خود بخود کھنچے آئیں گے، خدا کو راضی دیکھکر آپ دوڑیں گے۔ مذہب اور سیاست دونوں درست ہو جائیں تو کیا کہنا ہے۔ ہندوؤں میں مذہب کی بنا پر مدت سے کچھ نہیں ہوا، نہ اُن کے مذہب میں کوئی ایسی بات باقی رہی ہے جو دلوں کو سر گرماتی رہے۔ وہ آج جو کچھ کر رہے ہیں صرف سیاست کے زور پر ہے اور اس سیاست میں اصلاح نفس کی ادنیٰ سی ملاوٹ کے باعث اس قدر زور بلکہ اسقدر صحیح مذہب آچکا ہے کہ دُکان پر تمام دن بیٹھکر ڈکار لینے والے لالہ جی بھی جن کو اپنے بہی کھاتے کے سوا کچھ کام نہ تھا اور جن کو حساب میں ایک پائی کی کسر گھنٹوں تک بے چین کر دیتی تھی، آج خود کہہ رہے ہیں "مہاراج دُکانیں بند کرو مہاتما کا حکم ہے"! پس جب صحیح سیاست کا یہ اثر ہے تو صحیح مذہب اور صحیح سیاست مل کر نہ جانے کیا کر دینگے۔ وہ شئے جس میں خدا خوش اور دنیا بھی درست ہو کسقدر مزیدار ہوگی مسلمان کو کسی بہی کھاتے کی فکر نہیں، اُسکا پیٹ ہی اُسکا روزانہ بہی کھاتا ہے، اسی کے اندر اُسکی کمائی کا سب حساب موجود ہے، اسکا اوڑھنا بچھونا صرف مذہب ہے اور مذہب کے صدقے میں ہی سب سیاست ہے، وہ پہلے ہی قربانی اور تکلیف کا پتلا ہے، اور اصلاح نفس کی تحریک میں اُس کیلئے کوئی نئی قربانی اور بڑی تکلیف نہیں۔ پس مذہب کی صحیح منطق جس وقت مسلمان نے سمجھ لی اور یقین ہو گیا کہ اسی میں خدا راضی اور اسی میں دنیا بھی درست ہے، اُسیوقت اللہ اکبر کہتا ہوا میدان میں کود پڑے گا۔ ایسی تکلیف میں پلی ہوئی اور سرفروش قوم کو کیا ضرورت ہے کہ اور دلچسپی ڈھونڈتی پھرے۔ رہنماؤں کے متعلق جو کچھ میں کہہ چکا ہوں عام طور پر درست اور تحقیق شدہ ہے۔ رہنما لامحالہ قوم کا ایک جُزو ہیں اور مسلمانوں

چودھواں باب

اصل اسلام کیا ہے اور مسلمانوں کو کس تعلیم سے زوال ہوا

ہمدرد۔ جناب والا! اس تشریح کے بعد مشکلات حل ہو چکیں۔ اب طمینان کی یہ حالت ہے کہ ادنےٰ سا اختلاف باقی نہیں رہا۔ آپنے ہمارے دلوں کے اندر روشنی پیدا کر دی ہے اور اس روشنی میں اُمید کی جانفزا کرنیں اور عزم و عمل کی متحرک تصویریں یک بیک نظر آ رہی ہیں۔ اب جناب سے "مذہب کے مُڑے ہوئے سرے" اور "سیاست کی مُڑی ہوئی دھار" کے متعلق تفصیل سے پوچھنا ہے کہ یہ کیا ہیں اور کیونکر درست ہو سکتے ہیں۔ یہ مسئلے طے ہو گئے تو راہ صاف ہے۔ معاملات اس قدر کھل گئے ہیں کہ آیندہ جو کچھ معلوم کرنا ہے صرف اصلاح نفس کی تحریک کے متعلق ہو گا، مرض کی تشخیص اور علاج کی نوعیت کے متعلق میرے نزدیک کچھ پوچھنا باقی نہیں رہا۔ اب اصلاح نفس کی تحریک کے متعلق دو بلکہ تین نکتے ایسے ہیں جو جناب کی تشریح کے محتاج ہیں۔ اوّل جناب نے کہا تھا "آگے چل کر میں بتلاؤں گا کہ اس تحریک میں منطق کیا ہو گی کہ سب مسلمان مذہبًا بالآخر مجبور ہو جائینگے، اسکا لباس کیا ہو گا کہ ہر ایک میدان میں ناچار کود پڑے گا"۔ اس منطق اور لباس کی پوری تفصیل کے لیئے بے چین ہوں اور اُس وقت سے یہی خیال برابر کاوش کر رہا ہے۔ دوئم جناب نے ابھی فرمایا تھا کہ مسلمانوں کی سب تحریکیں ناکام اسلیئے گئیں کہ اور وجوہات کے علاوہ ان میں مسلمانوں کی ہندوؤں سے دلوں میں دشمنی تھی، انگریزوں سے دلوں میں دشمنی تھی۔ ہندوؤں سے دل میں دشمنی

طور پر اپنے ہی گھر کا مضحکہ اڑاتے رہنا قومی وقار کو کھو دیتا ہے۔ اِس مقام اور اِس تدبیر کو حاصل کرنے
کے لیئے بڑا وزن، بڑی ثقاہت بلکہ بڑا دماغ درکار ہے اور یہی وجہ ہے کہ یورپ میں ایڈیٹروں کے
وزیر اعظم بننے کی مثالیں کثرت سے ہیں۔ اسی تدبر اور دوراندیشی کے باعث ایڈیٹر کے ایک ظاہرا عمدہ
سے عمدہ مضمون شائع نہ کرنے کی "ناشائستہ حکمت" اور "مخل" پر مضمون نویس ہمیشہ سے روتے رہے
ہیں۔ اخبار کے ایڈیٹر کو قوم اور حکومت کا بڑا نباض ہونا چاہیئے۔ بعینہ وہی شئے اسکے کالموں میں نکلے
جس سے حکومت مرعوب ہو کر جھکے اور قوم مضطرب ہو کر بڑھے۔ مجھے ایک اسلامی اخبار کے غریب
ایڈیٹر نے مدّت ہوئی کہا صاحب! یہ شائع نہ کریں تو کیا کریں، خریدار کیونکر پیدا ہوں، ہم کو اپنی روٹی
کی فکر بھی ضرور ہے، مالک کیونکر خوش ہو، وہ تو آج بھی مجھ سے اُلجھ رہے تھے کہ سنسنی پیدا کرنے والے
مضمون کم ہو گئے ہیں۔ مالکوں سے پرسش کیجیئے، ہمارا کچھ قصور نہیں۔ کمزور اور بے مذاق قوم میں اخبار
کو دکان بنانا بڑا خطرناک پیشہ ہے بلکہ قوم کی تمام آئندہ سیاسی کمزوری کا راز اسمیں مضمر ہے۔ بڑی
بڑی قوموں میں جب جب اخبارات اوّل مرتبہ جاری ہوئے، اُن لوگوں سے ہوئے جو مصلح اور ریفارمر
تھے، ان کو دکانداری اور اشاعت کا خیال کبھی نہ تھا۔ وہ جو کچھ اپنے خریداروں کو کہہ گئے پتھر پر نقش
رہا اور اسی سے قوم سُدھر گئی ہے الغرض مالک اور ایڈیٹر دونوں اس طرف دھیان کریں تو خوشگوار ہوا
جلد یقیناً پیدا ہو سکتی۔ لیکن اخبارات کے رویّہ کو درست کرنے کی بہترین تجویز یہ ہے کہ کوئی مسلمان
لازماً ان اخبارات کو نہ خریدے جس میں کسی مسلمان کی صحیح یا غلط بُرائی لکھی ہو۔ اِس سے ہندوؤں کا یا
نیم سرکاری اخبار پڑھ لینا بدرجہا اچھا ہے۔ مطلب حل ہو جاتا ہے اور دل میں حرکت ہوتی ہے کہ اَور قومیں
کیا کر رہی ہیں۔

حکموں کی پروا نہ کرکے اُسی کا بندہ بنا رہتا ہے اِسی طرح کی نوکری اُس آقائے تمام نامدار کی اختیار کرنا "اُعْبُدُوا اللہَ" کے صحیح معنی تھے۔ قرآن حکیم میں اللہ صاحب نے بار بار کہا تھا کہ اگر تم اس طرح پر میری غلامی کروگے تو تم کو اِس دنیا میں بڑی دیر تک قائم اور خوش حال رکھوں گا۔† قوت اور نعمت کا موسلا دھار مینہ تم پر ہر دم برستا رہیگا، تم کو بے حد مالا مال کردوں گا، تمہاری آبادی اور اولاد کی کثرت ہوگی، تمہارے لیئے سرسبز ملکوں کی بادشاہت اور دریاؤں پر حکومت ہوگی‡، تمہارے واسطے دنیا کی بہترین نعمتیں اور متاع حسنہ ہوگا، میری وسیع زمین کی بادشاہت ہوگی۔ زمین کے وارث اور بادشاہ بننا چاہتے ہو تو میرے بندے بنو، میری نوکری اختیار کرو، میری غلامی میں رہو، میرے سوا کسی کا حکم نہ مانو، نفس کے حکموں کو نہ مانو، شیطان کے حکموں کو نہ مانو، غیر خدا کے حکموں کو نہ مانو، ماسوا کے حکموں پر نہ چلو۔ مجھے ایک مانو، ایک جانو اور ایک کہو۔ کسی دوسری شئے کے حکموں کو نہ ماننا ہی مجھے ایک کہنے، ایک ماننے اور ایک جاننے کے برابر ہے۔ یہی توحید ہے۔ یہی لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کا صحیح مطلب ہے۔ یہ آیتیں قرآن میں صاف لکھی ہیں۔ ہر شخص جو تلاوت کرتا ہے ان کو روزانہ پڑھتا ہے اور بغیر سوچے سمجھے گذر جاتا ہے۔ الغرض یہ وہ قانون تھا جو انسان کے بنانے والے خدا نے اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق کو

---

† قرآن حکیم میں ہے: اَنِ اعْبُدُوا اللہَ وَاتَّقُوْہُ وَاَطِیْعُوْنِ ۙ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُؤَخِّرْکُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ (سورۂ نوح) یعنی اللہ کی غلامی کرو، اس سے نوکروں کی طرح ڈرو، اور میری اطاعت کرو۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا تمہارے قصوروں پر پردہ ڈال دے گا اور تمہاری قوم کو ایک مدت تک جو مقرر ہے قائم رکھے گا۔

‡ اسی آیت کے بعد ہے: یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا ۙ وَّیُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْھٰرًا ؕ یعنی اللہ کی غلامی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا تم پر نعمت اور رحمت کا موسلا دھار مینہ بھیجے گا، تم کو دولت اور اولاد کی کثرت سے مدد دیگا، اور تمہارے قبضے میں سرسبز باغ اور دریا کردے گا۔ (قریب قریب یہی مضمون دو دفعہ سورۂ ہود میں ہے جہاں متاع حسنہ کا بھی ذکر ہے)

† اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ (۲۱: ۱۰۵) یعنی زمین کے وارث میرے وہ نوکر ہی ہیں جو اچھے کام کررہے ہیں۔

نہ کرنا تو خیر ٹھیک ہے مگر انگریزوں سے دلوں میں دشمنی نہ کرنا عجب معمہ ہے۔ اسکی تشریح درکار ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اصلاح نفس کی تحریک کو سمجھنے میں میں نے اصولی غلطی کہیں ضرور کی ہے۔

مصنّف ۔ میں نہایت خوش ہوں کہ آپ مطمئن ہوگئے۔ اطمینان، یقین اور ایمان ایک شئے ہیں اور یہی دراصل دنیا کے تمام سعی و عمل کے محرّک ہیں۔ کوئی شخص کسی امر کے متعلق دس قدم چلنا گوارا نہیں کرتا جب تک کہ اُس دس قدم چلنے کی منطق کے متعلق یقین نہ ہو اور اگر منطق واضح نہ ہو تو حرکت محال یا کم از کم سعیِ بے حاصل ہے۔ مسلمانوں کو جبتک خدا اور قرآن کی تعلیم کے متعلق منطقی یقین تھا وہ حرکت اور صحیح حرکت رہے، نتائج سے مالا مال رہے اور خدا خوش رہا۔ جب خدا اور قرآن کا علم نگاہوں سے اوجھل ہوگیا ساکن ہوگئے لیکن اب جو کچھ بھی روایتی ورد ہے اور قانون خدا کو سمجھنے کے بغیر کر رہے ہیں اندھیرے میں بھٹکنا اور اپنی قوتوں کو ضائع کرنا ہے۔ اسلام کے مذہب کا سرا توحید تھا، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تھا، اللہ کو ایک جاننا تھا اور مذہب کی بیخ و بنیاد، بلکہ جیسا کہ آگے چلکر خود بخود واضح ہوجائیگا تمام کائنات کی بہتری کی بنیاد "اِعْبُدُ وا اللّٰہَ" کے دو مختصر الفاظ تھے۔ ان الفاظ کے معنی یہ تھے کہ "اللہ کی عبادت کرو" اور یہ لفظی معنی آجکل بھی ہیں۔ عبادت کے معنی غلام بننا اور عبد کے معنی غلام کے ہیں۔ غلامی اور نوکری ایک شئے ہیں بلکہ غلامی میں نوکری سے کئی درجہ زیادہ بندش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہوشمند عالموں نے عبادت کے معنی کسی زمانے میں بندگی رکھے تھے اور مقصود یہ تھا کہ ان سے اپنے آقا کے ساتھ بستگی اور اُسکی لگاتار نوکری کا اظہار ہوتا رہے۔ الغرض اِعْبُدُ وا اللّٰہَ کے الفاظ کا مفہوم یہ تھا کہ خدا کے غلام بن جاؤ، اُسکی چوبیس گھنٹے کی ملازمت اختیار کرو اور جس طرح ایک نوکر اپنی خواہشوں اور ضرورتوں کو اپنے مالک کی مرضی کے بالمقابل فنا کر دیتا ہے، اور کسی دوسرے آقا کے

کر اگر اللہ کی نوکری اور عبادت کے لیئے ایک لمحہ نہ چھوڑیں۔ الغرض اس "اُعْبُدُوا اللّٰہَ" کے قانون کی تعمیل کے بدلے میں خدا کی طرف سے مسلمانوں کو دُنیا کی تمام نعمتوں اور بادشاہت زمین کا وعدہ تھا، وہاں اس صحیح راہ اور اس صراط مستقیم سے جس کی تعریف سورۂ فاتحہ میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ† اور صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ‡ کے الفاظ میں تھی ورغلانے کے سامان قدم قدم پر تھے۔ پیغمبر آخرالزمان صلعم نے عرب کو اللہ کی غلامی اور اُسکے انعام میں زمین کی بادشاہت کا راز دلنشیں کرنے کیلئے وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ§ کہہ کر اعلان کر دیا کہ خدا تو وہی ایک ہی ہے، جب بنانے والا ایک ہی تو نوکری بھی اُسی کی ہونی چاہیئے، آقائی بھی اُسی کو سجتی ہے، اور حاکم جو حکم کر رہے ہیں انسان کو پیدا کرنے والے نہیں، نفع و ضرر کے مالک نہیں، آپ محتاج یا بے جان ہیں، پھر اُن کا حکم واجب اور غالب کیا اُنکو حکم دینے کا سرے سے حق ہی نہیں۔ مردی اور مردانگی یہ ہے کہ اشرف الخلق انسان خالق کے سوا کسی کا محکوم نہ بنے، ان سب اشیاء سے جو اُس کے ساتھ لگی ہیں فائدہ اُٹھائے انکو مسخر کرے، اُن پر حکم چلائے، لیکن ان کا مطیع بننا، اُنکے حکموں سے مغلوب ہو جانا اور اُن کا بندہ بننا انسان کے لیئے جائے ہزار شرم ہے۔ یہ سیدھی سادی دلیل سیدھے سادے لیکن غیر تمند اور جواں مرد عربوں کے دلوں میں کھُب گئی۔ وہ ماسوا سے باغی ہو گئے اور خدا کی نوکری قبول کر لی۔ اِس ملازمت میں رات دن بڑی تکلیف تھی۔ اوّل تو آنکھوں سے نظر آنے والے اور ہر دم سامنے رہنے والے خوب صورت بتوں کے مزیدار اور دل پسند حکموں کو چھوڑ کر نہ نظر آنے والے خدا سے دل لگانا تھا۔ آقا غائب، مزدوریوں میں

† ہم تیری ہی غلامی کرینگے۔

‡ ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے اپنی نعمتیں بھیجی ہیں۔

§ اور مجھے کیا ہو گیا ہے کہ اُس کا غلام نہیں بنتا جس نے مجھے پیدا کیا۔

دیا تھا اور ایسے ہی قانون کو دینا اصولاً اور انصافاً اُس کا حق بھی تھا۔ جب شب شئے اور ساری کائنات اُسی
کی بنائی ہوئی ہے اور کسی دوسرے کو اس بنانے میں ذرہ بھر دخل نہیں تو بنانے والے کا صاف حق ہے
کہ مخلوق کی بنیاد اپنی ہی تابعداری پر رکھے، کسی دوسری شئے کو اپنی مخلوق پر حاکم نہ بننے دے صاف
کہے کہ جس قوم نے میرے سوا کسی دوسرے کا حکم مانا اسکو غرق کردونگا، ان سے سب نعمتیں چھین لونگا
اِن کو ذلت اور مسکنت دوں گا، ان کو غریب اور خستہ حال کردوں گا، اُن سے بادشاہت چھین لونگا
وغیرہ وغیرہ۔ بہتری کی بُنیاد اپنی اطاعت پر رکھنی تھی تو لازم تھا کہ بربادی کی بنیاد غیر کی اطاعت
میں رکھتا، اور اپنی اطاعت کا انعام اسقدر بے مثال تھا تو لازم تھا کہ اپنی اطاعت کو بیحد مشکل
اور غیر دلچسپ اور غیر کی اطاعت کو نہایت آسان بلکہ نہایت دلفریب کردیتا۔ الغرض اُدھر یہ قانون
دیا اور اِدھر اُس بے نیاز خدا نے انسان کا امتحان لینے کی خاطر ہزارہا دل لُبھانے والے حاکم اور خوب
صورت آقا اِس دنیا کے اندر آپ بنا کر اپنے مقابل کھلے چھوڑ دیئے اور خود پس پردہ چھپ کر بیٹھ رہا کہ
اپنے ہونے میں بھی لاکھ شک پیدا ہوں۔ سب سے پہلے خود انسان کے اندر بڑا شیطان نفس امارہ
لگا دیا جو ہر لحظہ اُلٹے اور نہایت آرام دِہ حکم دیتا رہے، شہوتوں اور لذتوں کی طرف رغبت دلائے
بدیاں کرواتا رہے اور تن کے آرام کو سب حکموں پر ترجیح دے کر انسان کی صحت، طاقت، ہمت اور شجاعت
کی بیخ اُکھیڑ دے۔ پھر دوسری قطع کے بُت مثلاً خوب صورت بیٹے، نیک سیرت بیٹیاں، نازنین
جوروئیں، عمدہ مکان، اونچے محل، مال، دولت، اسباب، گھوڑے، باغیچے، بنگلے، تنخواہیں،
زمینیں، پیر، فقیر، اولیا، امیر، کبیر، حاکم، وغیرہ وغیرہ پیدا کردیئے کہ اپنا اپنا آرام دِہ اور دل پسند
حکم دے کر انسان کی تمام قوتوں کو بیکار اور خالق سے پورے طور پر برگشتہ کردیں۔ اپنی غلامی ہر وقت

نتیجہ بادشاہت زمین ہوا، قوت اور نعمت کا موسلا دھار مینہ برسا، دنیا کی بہترین نعمتیں ملیں قیصر و کسرٰی کے تاج روندے گئے، دنیا کے بہترین باغ ملے، بہترین دریاؤں پر حکومت ملی، مختصر الفاظ میں اصلی اور نبوی اسلام یہ تھا۔ جبتک اللہ کی عبادت کے یہ معنی رہے اسلام ہر جگہ کامیاب رہا، اُمت پا بر کاب رہی، ہر طرف سعی و عمل رہا، ہر طرف خدا کے ایک ہونیکا عملاً اقرار رہا، خدا خوش رہا۔ چاہیئے تھا کہ بادشاہت حاصل کرنیکے بعد بھی مسلمان "اِعبُدُ و اللہ" کی نفعمند حکمت اور خدا خوش رکھنے کے اِس بے مثال طریقے پر عمل پیرا رہتے، بادشاہت کو خدا کی غلامی کا لازمی نتیجہ سمجھ کر با سوائے غلام نہ بنتے، لیکن جب بادشاہت اور اُسکے لازمات حاصل ہو گئے، جہانگیری اور جہانبانی کا ڈنکا بج چکا اور بہتوں نے سمجھ لیا کہ خدا اب ہمیشہ کیلئے خوش ہے بلکہ ہم ہی اس دنیا کے اندر اسکے چاہیتے ہیں تو مسلمانوں نے آہستہ آہستہ غیرِ خدا اور ما سوا سے بھر لگاؤ شروع کیا، حکم دینے والے بتوں اور نفس امارہ کے پھر بندے بننے لگے، لذات اور خواہشات کو جائز قرار دینے کیلئے نہایت مکاری سے اسلام کی توڑ مروڑ شروع کی، "اِعبُدُ و اللہ" کے الفاظ کو لیکر نہایت ہوشیاری سے اس کا باوا آدم بدل دیا۔ اعلان کر دیا کہ "اِعبُدُ و اللہ" اور عبادتِ خدا کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی نمازیں پڑھو، اُس کا نام تسبیحوں پر لو، اسکو ایک ایک کہتے رہو، کلمہ شہادت کو رٹو، پتھر کی دیویوں اور بتوں کے آگے جو ہندوستان میں ہوا کرتی ہیں ماتھا نہ ٹیکو، ہندوؤں کیطرح بت پرست نہ بنو، عیسائیوں کی مسیح پرست نہ بنو، وغیرہ وغیرہ۔ الغرض یہ پنجوقتہ سجدے اور کلمے جو زیادہ سے زیادہ چند لمحوں میں ہو سکتے تھے خدا کیلئے وقف کر کے باقی تمام وقت اپنے اُن پرانے معبودوں کی غلامی اختیار کر لی جو نبی کریمؐ کے ظہور کے وقت مسلط تھے اور جو ہر مُردہ قوم پر ہر وقت مسلط رہتے ہیں۔ اس مکر و ریا کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے اندر سے وہ

شک، تنخواہیں اُدھار، حکم مشکوک۔ الغرض تمام ملازمت یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کا مصداق تھی، پھر یہ تھا، کہ اللہ کے سب حکم تکلیف دہ تھے، ان کی کوئی نقد اُجرت نہ تھی، اُن سے کوئی فوری نفع نہ تھا شیطان اور باقی بُتوں کی مزدوری نقد الفقد تھی۔ اللہ کا حکم تھا کہ ایک دوسرے کی بُرائی نہ کرو، آپس میں یک دل ہوکر رہو، جماعت میں تفریق نہ کرو، ایک امیر کا حکم مانو، اپنی جماعت کو غالب کرنے کیلئے جان کی قربانی کرو، مال کا ایثار کرو، اسلام کو بلند کرنیکے لیئے وطن کو ترک کرو، اولاد کی پروا نہ کرو، مال ومتاع کو حقیر سمجھو، دشمن سے پیٹھ نہ پھیرو، دنیا کی لذّتوں کو چھوڑ دو، شہوتوں کو مطیع کرو، اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کا علم حاصل کرو، سمع (کان) و بصر (آنکھ) اور افئدہ (ذہن) کا صحیح استعمال کرو، الصلوٰۃ پر قائم رہو، ایک مرکز پر جمع ہو جاؤ، نفس کو بھوکا رکھو، غیبت نہ کرو، وعدوں کو پورا کرو۔ دنیا میں غالب بنکر رہو، وغیرہ وغیرہ۔ ان احکام کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عرب جو غیر خدا کی غلامی میں رہنے کے باعث ایک مدت سے اپنی اخلاقی اور مادی قوتوں کو کھو چکے تھے، اپنے اپنے بُتوں میں مست رہنے اور "کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ" کے باعث بکھرے ہوئے تھے، خدا کی غلامی اور "اُعْبُدُوا اللّٰهَ" کے تحت میں آکر تکلیف پسند، صاحب عمل اور پا برکاب ہو گئے۔ سب کے سب ایک رشتے میں پرو دیئے گئے، ایک خدا، ایک رسول، ایک جماعت، ایک امیر، ایک حکم کا سماں ہر طرف نظر آنے لگا کسی کی کسی سے کچھ لاگ نہ رہی، سب حکم دینے والے اور حکم منوا کر بیکار کر دینے والے بُت توڑ دیئے گئے، سب طرف خدا کی حکومت دلوں پر قائم ہو گئی۔ قوت اور اتحاد کا یہ شاندار منظر دیکھکر عرب نے تلوار ہاتھ میں پکڑ لی، خدا کی حکومت نہ ماننے والوں کو خدا ماننے کی کُھلی دعوت دیکر چھتیس ہزار قلعے اور شہر بارہ برس کے اندر اندر سر کر لیئے! الغرض اس "اُعْبُدُوا اللّٰهَ" کی عظیم الشان حکمت کا لازمی

سمجھتے رہے اور آجتک اُسی پر ضد سے قائم ہیں۔ الغرض مسلمانوں کے زوال کی منطق قطعاً عیاں ہے۔ اُنکے دلوں میں شیطان کی حکومت اور خدا صرف زبان پر ہے۔ اُمت کا کمال تجاہل مگر نہایت نا دوراندیشی سے اللہ کی عبادت کے مفہوم کو یکسر بگاڑ کر سجدوں، کلموں اور شرعی مقولوں کو خدا کے وقف کر دینا، زمین پر قوی اور بادشاہ بنکر رہنے کے خدائی انعام کو پاؤں سے ٹھکرا کر دُنیا کو مُردار اور نا قابل توجہ سمجھنا مذہب کا وہ مُڑا ہوا سِرا اور سیاست کی وہ مُڑی ہوئی دھار ہے جسکو پھر درست کرنا ہر ہوشمند شخص کا فرض ہے۔ اور مذہبوں میں جب جب یہ دونوں تبدیلیاں واقع ہوئیں وہ رسم و رواج کی لکیر میں پڑ کر بے اثر ہو گئے، اُنکے پیرؤں میں مذہبی حمیت اور مذہب کی بنا پر سیاست دونوں جلد معدوم ہو گئیں۔ قوت چھن گئی تو لوگوں نے خدا کا تخیل بھی سرے سے چھوڑ دیا، پتھر کے بُتوں یا مذہبی مشاہیر کو خدا کا اوتار فرض کر کے اُن سے لَو لگا لی، یا خدا کا تعلق صرف انفرادی زندگی سے رکھکر مذہب کو دنیا کیلئے بیکار ثابت کر دیا لیکن مسلمانوں میں خدا کی حکومت عملاً اگرچہ نمایاں نہیں رہی، اُنکے اُن طبقوں میں بھی جنکا تعلق رات دن ہاتھ پاؤں کی محنت، حلال روزی اور سعی و عمل سے ہے، کوئی قابل ذکر منظم حرکت خدا کی ملازمت کی بنا پر باقی نہیں رہی لیکن خدا کا تخیل اب تک قطعاً زندہ ہے، مذہب کا تخیل قطعاً زندہ ہے، مذہب کی بنا پر سیاست قطعاً زندہ ہے، بادشاہت اور قوت کا نصب العین قطعاً زندہ ہے، انکا آج بھی سب سے بڑا فخر خدا کی توحید پر ہے، وہ آج بھی اس بات کے بڑے دعویدار ہیں کہ خدا کو ایک ماننے والے صرف وہی ہیں، اللہ کے نام لیوا اور اُسکی وحدت کے علمبردار صرف وہی ہیں، وہ مشرک کے نام سے کوسوں بھاگتے ہیں، کفر کے کلموں سے لرز جاتے ہیں، بُت پرستی سے دلی نفرت ہے، خدا کی راہ میں اُن کی مالی اور جانی قربانیاں وہ ہیں جن کا ذکر ہوا۔ پس جس قوم میں رسمی شرک سے یہ نفرت اور رسمی توحید سے یہ عشق ہے، جس کا ہر فرد عام طور پر اس قرآنی حکم سے واقف ہے کہ خدا سب گناہوں کو

تمام خوبیاں نکلتی گئیں جو خدا کی عبادت کے صحیح مفہوم اور اللہ کی دن رات کی نوکری میں مضمر تھیں۔ اُدھر مولویوں اور علمائے دین نے اسلام کی بگڑتی ہوئی حالت کے باوجود قانون خدا کی ان حیرت انگیز تحریفوں کی تائید کی۔ اللہ کے ناقابل بدل قانون کو مکاری سے چند قرنوں کے اندر تحریرًا بدل دیا۔ آیات خدا کو چھپا کر اپنے نفس اور باقی مسلمانوں کے لیئے آسانیاں پیدا کیں اور اپنے پیٹ آگ سے بھر دیئے عبادت کو وہی نماز اور تسبیح وغیرہ قرار دیا، حالانکہ قرآن حکیم میں کئی موقعے ایسے ہیں جہاں ایک ہی آیت میں عبادت کے لفظ کو "الصَّلٰوۃ" کے لفظ سے علٰحدہ کر دیا ہے، ایمان کو مُنہ سے خدا کا اقرار قرار دے کر سب اُمّت کو اور سب سے پہلے اپنے آپ کو مُسلمان بنائے رکھا۔ پتھر کے بتوں، ہندؤوں کی دیویوں اور مورتوں کو "خدا کے شریک" ظاہر کر کے مسلمانوں کی پیٹھ ٹھونکی کہ وہ مشرک نہیں، مومن ہیں، جنت کے حقدار ہیں، اللہ کے لاڈلے ہیں، خدا اُن کے انتظار میں جنت کی کنجیاں لیکر بیٹھا ہے! سلطنتوں کو ہاتھ سے نکلتا دیکھکر دنیا سے بیزار کر دیا کہ یہ رہنے کے لائق نہیں، یہ دنیا مُردار ہے اسکی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنا بھی مومن کا کام نہیں۔ پھر کیا تھا خدا کی قرآنی دھمکیاں یک بیک پوری ہونے لگیں، بادشاہت چھین لی گئی، ذلت اور غریبی لیس دی گئی، نظم و نسق ٹوٹ گیا، تفرقے انتہا تک پہنچ گئے، شکستیں نمایاں ہو گئیں، اتحاد باقی نہ رہا، زور آور امیر نہ رہا، زمین تنگ ہوتی گئی، مسکنت اور محتاجی ماتھوں پر جم گئی۔ یہ سب ہوا لیکن عام مسلمانوں نے قرآن سامنے ہو کر اور آنکھیں ہوتے ہوا کہ اس تین سو برس کی خدا کی مار اور مُنہ کے بنائے ہوئے کافروں اور مشرکوں کی لگاتار سنوار کے باوجود ہرگز نہ سمجھا کہ آخر ان دردناک سزاؤں کی وجہ کیا ہے۔ وہ اسی تحریف شدہ اسلام کو جو اُن کو اپنے باپ دادا سے ورثۃً ملا تھا صحیح اسلام

* إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ (بقرہ)
(ترجمہ) جو لوگ قرآنی آیتوں کے صحیح معنوں کو چھپاتے اور اس جرم کے بدلے اپنی قلیل نقدی کماتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔

اسلیئے نہیں ہوئیں کہ تم میں نظم و نسق نہیں، تم میں اتّحاد اور وحدت اُمت نہیں، تم میں ایک مرکز سے بستگی نہیں، تم میں ایک امیر نہیں، تم میں اطاعتِ امیر نہیں، تم میں کوشش کرنے کے بعد اُس کوشش پر استقامت نہیں۔ لیمنڈ کے اُبال کی طرح جوش میں آکر کچھ کر جاتے ہو لیکن پھر پانی کی طرح ناتواں ہو کر بہ جاتے ہو۔ یہ سب عظیم الشان نقص اسلیئے ہیں کہ تم میں چوبیس گھنٹے کی خدا کی نوکری نہیں، صرف چند لمحے خدا سے ڈر کر کچھ کر لیتے ہو لیکن فوراً خدا سے سچّی بغاوت کر کے ایک دوسرے سے بگڑ جاتے ہو۔ اگر خدا کی پوری غلامی اور ما سوا سے پوری بغاوت صحیح معنوں میں ہوتی تو ہمیشہ متحد رہتے، ہمیشہ ایک امیر کے ماتحت اور ایک مرکز پر جمع رہتے، تم میں چھُٹائی بڑائی ہرگز نہ ہوتی۔ یہ صرف نفسی اور ذاتی اغراض بلکہ شیطان کی صحیح معنوں میں بندگی ہے جو تم کو تسبیح کے دانوں کی طرح بکھیر رہی ہے، تم کو ایک مرکز پر جمع نہیں ہونے دیتی، ایک امیر کے ماتحت کام کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اُن پر اچھی طرح اور نہایت وثوق سے ذہن نشین کرنا ہے کہ خدا کی دوستی اور بادشاہت کا انعام اس وجہ سے نہیں ملتا کہ تمہارے نزدیک توحید یہ ہے کہ صرف پتھر کے بُتوں یا دیوتاؤں کے آگے ماتھا نہ ٹیکا جائے، یا اپنا نام کمال الدین اور عبد اللہ رکھکر مسلمانی کا اقرار کر لیا جائے، تمہیں نہایت ٹھنڈے دل سے اور ہوشمند بن کر غور کرنا چاہیئے کہ اُس پروردگار عالم اور رب العٰلمین کی اصلی دوستی آج ہنری سمتھ اور رام داس کی جماعتوں سے ہے، راز و نیاز کی چشمکیں اگر ہیں انہی سے ہیں، رحمت کی مُوسلا دھار بارشیں تو انہی پر ہیں، مہربانی کا بادل انہی پر چھا رہا ہے۔ یہ سب اسلیئے کہ خدا کے نزدیک اصلی "عبد اللہ" اور سچا بندۂ خدا ہونا یہ ہی کہ پتھر کے بُتوں کے ساتھ ساتھ نفس کے خوفناک بُتوں کو توڑا جائے، دل کے اُن زندہ حکمرانوں کا کہنا نہ مانا جائے جو ہر آن اور ہر لحظہ خدا کے حکموں میں دخل دیتے رہتے ہیں، جو ہر وقت

بخش دیتا ہے مگر شرک کو قطعاً نہیں بخشتا ، اُس قوم میں حوصلہ اور وثوق سے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کے خوف کے بغیر ، اللہ کی عبادت ، اُس کی توحید ، اُس کے شرک اور اُس کے کفر کے سچے اور اصلی مفہوم کو پھر رائج کرنا بڑا مشکل نہیں ۔ (باقی)

پندرھواں باب

قوّت کا راز توحید کو صحیح سمجھنا ہی اور مُسلمان پھر کیونکر قوی بن سکتے ہیں

مُصنّف ۔ اُن کو یہ کہنا ہی کہ اس تمام مذہبی حمیت ، اسلامی جوش اور مالی اور جانی قربانیوں کے باوجود اگر اللہ کے ہاں تمہاری کوششیں مقبول نہیں ہوئیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ تم میں اللہ کی بندگی صحیح معنوں میں قطعاً نہیں رہی ، تم شرک میں صحیح معنوں گرفتار رہو ، توحید کے علمبردار ہرگز نہیں ہو سکتے ان کو قرآنی شہادت دے کر بتلانا ہے کہ اللہ کی عبادت کا لازمی اور منطقی نتیجہ بادشاہت زمین ہے بلکہ جو قوم بھی خدا کی زمین کی وارث ہی یا وارث بننے کی کوشش کر رہی ہے ** اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ کے خدائی قول کے مطابق صحیح معنوں میں عابد اور ملازم خدا ہے ، وہی صالح ہی اور خدا بھی اُسی سے خوش ہے ۔ اُن پر واضح کرنا ہے کہ تم بے مثال مالی اور جانی قربانیاں کرتے ہو ، دردناک تکلیفیں جھیلتے ہو ، لاکھوں روپیہ اپنی مفلسی کے باوجود اپنے رہنماؤں کے قدموں پر ڈال دیتے ہو ، ہزاروں کی تعداد میں ہجرت کر جاتے ہو ۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے تمہاری کوششیں باور

** (ترجمہ) زمین کے وارث تو اصل میں ہمارے عمدہ بندے ہی ہیں ۔

ناممکن ہے تو مسلمان یقیناً اس وقت ایک خدا کے ماننے والے نہیں، اِس حالت میں مسلمان کا ہر وقت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے رہنا بے نتیجہ ہے، اللہ سے انعام کی امید فضول ہے، خدا کو دھوکا دینا کیا اپنے نفس کو دھوکا دینا ہے. اور قومیں جو خدا سے انعام لے رہی ہیں نسبتہً اُسکی زیادہ فرماں بردار ہیں. اُن میں اتحاد ہے تو اسلیئے کہ اُنکے اکثر افراد میں ذاتی غرضوں، ایک دوسرے سے حسد اور دشمنی، خودرائی اور کبر، یا ایک دوسرے کی پگڑی اُچھالنے کے پیارے بُت فنا ہو چکے ہیں، اُن میں ایک رہنما اور باقی سب سپاہی ہیں تو اس لیئے کہ سب نے نفس پسندی اور جاہ پرستی کے بُت کو فنا کر کے اپنا تن مَن دھن قوم کی بہتری کے لیئے وقف کر دیا ہے، اُن میں ایک امیر کی اطاعت ہے تو اسلیئے کہ لیڈر بننے کے پیارے بُت کو توڑ کر ہر شخص ایک امیر کی آواز پر ہر ممکن قربانی کرنیکے لیئے تیار ہے، اُن میں جیلخانوں سے عشق ہے تو اسلیئے کہ نفس کے بُت کو مارنا اُنکی نظروں میں آزادی اور بادشاہت کی پہلی منزل ہے، اُن میں ستّر ستّر دن کا مسلسل روزہ اور اسکے بعد تمنّائے موت ہے تو اسلیئے کہ عیش پسندی کے بُت کو چکنا چور کر کے اکثر لوگ بھوک کے خوفناک دیو کو قوم کی بہتری کی خاطر قتل کرنے پر تیار ہیں، اُن میں اپنے امیر کی عزّت کی پوری حفاظت اور کم بخت اعرابی کی طرح اپنے سردار پر بلاوجہ کیچڑ پھینکنا اسلیئے نہیں کہ قوم کے دلوں سے منافقت اور شرارت کا بُت قطعاً نکل چکا ہے، اب ہر شخص امیر کی عزّت کو اپنی عزت سمجھ کر جان لڑانے کے لیئے آمادہ ہے، اُن میں چھوٹوں کو بڑا بنا دینے کا ڈھنگ اسلیئے ہے کہ ہر شخص اپنی بڑائی اور اپنی کبریائی کے بُت کو فنا کر کے قوم کو بڑا بنانے کی فکر میں ہے، اُن میں ہڑتالوں کے موقع پر کروڑوں روپیہ کی مالی قربانیاں اسلیئے ہیں کہ کاروباری قوم ہونیکے باوجود مال کے بُت کی پرستش نہیں رہی، اُن میں فضول خرچی اسلیئے نہیں کہ نفس کی خواہشوں پر پُورا جبر ہے، اُن میں دولت اسلیئے ہے کہ فضول خرچی کے آرام وہ

خدائے ذوالجلال کی پوری نافرمانی کراکر رہتے ہیں، کمالِ دین اور اصلِ اسلام یہ ہے کہ انسان کو مال سے محبّت نہ ہو، جان پیاری نہ رہے، اولاد کی پروانہ ہو، باغ، مکان، طویلے، تنخواہ، گھر کا اسباب، زن، زر، زمین، گھوڑے، مویشی سب ہیچ نظر آئیں اور ہردم نظر آتے رہیں۔ سب کے حکموں کو ربِّ ذوالجلال کے حکموں کے بالمقابل بے حقیقت سمجھا جائے۔ یہی وہ بُت ہیں جو ہر وقت انسان کے ساتھ لگے رہتے ہیں، رات دن انہی کی پرستش فی الحقیقت ہورہی ہے۔ انہی کے حکموں کو خدا کے حکموں پر ترجیح دیجاتی ہے، انہی کی شہ پر خدا سے ہردم بغاوت ہے، انہی کو خدا کا شریک بلکہ سچ پوچھو تو خدا سے بہتر سمجھا جاتا ہے اور اسی لیئے اُس مالکِ زمین و آسمان کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ انسان اپنے خالق کو چھوڑکر اسکی پیدا کی ہوئی بے حقیقت چیزوں کا حکم مانتا رہے۔ پتھر کے بتوں یا مسیح کی مورت کی عبادت، ہندوؤں اور عیسائیوں میں اول تو رہی نہیں یا اگر ہے تو صرف چند لفظوں کے بڑبڑا لینے تک محدود ہے بلکہ پتھر کے بُت اگر کچھ حکم دے سکتے ہیں تو صرف چند لمحوں تک، مگر نفس کے بُت چوبیس [۲۴] گھنٹے حکم دے دیکر انسان کو خدا سے پورا باغی کردیتے ہیں۔ آدمی صرف اپنے نفس میں مست رہتا ہے، صرف اپنی ذات سے متعلق کاموں میں لگا رہتا ہے، قوم اور جماعت کی بہتری کی باتوں سے اُسکا کچھ سروکار نہیں رہتا۔ مُسلمان آج صرف مُنہ سے خدا کو ایک کہتا ہے اور دن میں چند لمحوں کے لیئے اُسکا کلمہ پڑھ کر، باقی وقت ان بُتوں کی بندگی میں نہایت شوق سے بلکہ اطمینان سے گذارتا ہے اور عملاً ایک نہیں ہزار خداؤں کا بندہ بنا رہتا ہے لیکن اور قومیں اگرچہ مُنہ سے خدا کو ایک نہیں کہتیں مگر اپنا اکثر وقت خدا کے حکموں کی تعمیل اور نفسانی بتوں سے بغاوت میں صرف کرکے اصل میں یہ ثابت کررہی ہیں کہ اُن کا حاکم وہی خدائے واحد ہے۔ پس جب توحید یہ ہے کہ دل میں کوئی بُت نہ رہے اور جب خدا کو ماننے کے کوئی دوسرے معنی لینا

خدائے واحد کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔ ایسی قوم توحید پر صحیح معنوں میں عامل ہے، وہ دینِ اسلام پر چل رہی ہے، اُسکو مشرک یا بُت پرست کہنا اندھا پن ہے، اپنے نفس کو دھوکا دینا ہے۔ قرآن حکیم نے مشرکوں کی تعریف صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں یہ کی ہے کہ مشرک[1] وہ ہیں جنہوں نے اپنی جماعت میں تفرقہ ڈالا، یہ اسلیئے کہ تفرقہ اُسی وقت شروع ہوجاتا ہے جب ہر شخص خدائے واحد کو چھوڑ کر اپنے اپنے بُتوں میں مست ہوجاتا ہے۔ یہ خدا کا دلوں میں آجانا ہی وہ خوش قسمتی ہے جو دلوں کو جوڑ دیتی ہے[2] شیطان کا حکم دل میں رہے تو اتحاد محال ہے۔ اِسی لیئے بُت پرستی اور شرک کی بخشش نہیں، اسی لیئے کہا سب گناہوں کو بخش دونگا مگر شرک کو ہرگز نہ بخشوں گا۔ آخرت کا بخشنا تو درکنار، اسی دنیا میں کم سے کم مدّت کے اندر وہ دردناک سزا ملجاتی ہے کہ قوم کے پرخچے اُڑجاتے ہیں، علم، دولت، عزت، صحت، حکومت، آزادی سب یک بیک رخصت ہوجاتے ہیں، پھر دلوں[3] سے وُہ آگ کے شعلے بلند ہوتے ہیں کہ مَاهُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ[4] کا سماں صاف نظر آجاتا ہے۔ پس قرآن کا آسمانی اعلان ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ یعنی کیا تفرقہ ڈالنے والے بہت سے رب اچھے ہیں یا وہ خدائے واحد جو سب پر غالب ہے"۔ وہ لازوال حقیقت ہے جس سے ابدالآباد تک کسی زندہ قوم کو انکار نہیں! وہی قوم كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ[5] کی مصداق بنکر اس حقیقت سے بھاگے گی جو مشرک ہوگی جسکے دلوں کے اندر تین سو ساٹھ بُتوں کی انجمن ہر وقت لگی رہے گی۔ زندہ قوم کا توحید کے اصل اصول

(۱) وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (سورۂ روم) ترجمہ اور لوگو! مشرک نہ بن جانا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دین میں فرقے پیدا کیئے اور الگ الگ گروہ بن گئے۔ اب ہر گروہ اپنے اپنے بت میں جو اُس کے سامنے ہے مست ہے (۲) اَللّٰهُ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ (۸: ۶۳) ترجمہ اللہ نے اُنکے دلوں کو جوڑ دیا۔ (۳) نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ (۱۰۴: ۶-۷) ترجمہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ وہ ہے جو دلوں پر چڑھ جاتی ہے اور انکو کباب کردیتی ہے (۴) ترجمہ وہ اُس آگ سے ہرگز نہ نکل سکیں گے۔ (۵) ترجمہ اے محمدؐ! جس توحید کی طرف تو بلا رہا ہے وہ ان لوگوں کیلئے جو دلوں کے اندر بُت پوجنے والے ہیں بہت بھاری مصیبت ہے۔

بُت سے تعلق کٹ چکا ہے، اُن میں غیبت اور بدگوئی اسلیئے مفقود ہے کہ پیٹھ پیچھے کسی کو بُرا کہنے کے دلچسپ اور خوب صورت بُت سے کچھ لگاؤ نہیں رہا بلکہ بھائی کے گوشت کھانے میں کراہت آتی ہے، اُن میں وعدہ خلافی اسلیئے نہیں کہ وعدہ کی شکل خود پیدا کرکے آسان پسندی کے بُت کی عبادت کرنا مردانگی کے خلاف نظر آتا ہے، وہ اپنوں پر بڑے رحم کرنے والے اور غیروں کے بڑے دشمن اسلیئے ہیں کہ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کے اسلامی اصول کو سمجھ چکے ہیں، اُن میں تینس کروڑ دیوتاؤں کی پرستش کے باوجود سب کا طریق عمل ایک ہے تو اسلیئے کہ اُنکے تینس کروڑ بُت دراصل بُت نہیں رہے اگر ہر دیوتا اپنا حکم منواتا تو اتحاد ممکن نہ تھا، بلکہ ایک کے سوا دوسرا خدا ہوتا تو قوم کیا زمین و آسمان بگڑ جاتے اُن میں پیروں اور اماموں یا مہنتوں اور پنڈتوں کے نام پر فرقہ بندیاں اسلیئے نہیں کہ پیر اور امام اُن کے بُت نہیں رہے، ان میں ہاتھ اُٹھانے اور آمین کہنے پر سر پھٹول اسلیئے نہیں کہ لفظوں اور عقیدوں کو بُت بنا کر اپنی خود کُشی کرنا نہیں چاہتے، اُنکے اخباروں میں گالی گلوچ اور ایک دوسرے کی پگڑی اُچھالنا اس لیئے نہیں کہ چٹ پٹے مضامین لکھنے اور اپنے بھائی سے خدا واسطے کے بغض رکھنے کے بُت کی پرستش کرکے اپنی قوم کو کمزور کرنے کی شیطنت باقی نہیں رہی، اُن میں مختلف راؤں کے باوجود دشمن کے سامنے متحدہ محاذ پیش کرنے کی قابلیت اسلیئے ہی کہ نفسانی اغراض اور ذاتی خواہشات کے سب بُت فنا ہو چکے ہیں اور صرف قوم کی بہتری پیشِ نظر ہے، فتح و ظفر پیشِ نظر ہے، دشمن کو نیچا دکھانا پیشِ نظر ہے: الغرض اُن کی راہ ایک، کام ایک، منتہا ایک ہی۔ اسلیئے اُنکا آقا اور حاکم ایک ہی، خدا ایک ہی، دین ایک ہے، اگر خدا مختلف یا کئی ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اس طرح متحد ہوتے! جس قوم میں بُت نہیں رہے اُسمیں خدا ضرور ہے۔ جب شیطنت نہیں رہی تو نیکی کا موجود ہونا یقینی ہے اور نیکی کا مالک یا نیکی کا حکم دینے والا

کی وحدت کے واحد علمبردار ہوکر توحید کو صرف پتھر کے بتوں کی توحید سمجھتے ہیں اور جنت کے سبز باغوں
کے خواب میں مست ہیں، خدا کی دوستی کے گمان کے باوجود دنیا کو چھوڑ دینا اور اسمیں دکھ پانا دین
داری کا جزو خیال کرتے ہیں۔ نہیں سمجھتے کہ اگر کعبہ کے تین سو ساٹھ پتھر کے بتوں کو توڑنا ہی رسول خداؐ
کا سب سے بڑا کارنامہ اور قرآن کی سب سے بڑی توحید تھی تو حیرت ہی کہ اس عظیم الشان کارنامے کا ذکر تک
قرآن میں موجود نہیں! مسلمانوں کو خدا نے ایک صف میں کھڑا ہونا سکھلایا، ایک امیر کی تابعداری
اور اُسکے حکم میں فوجی قواعد کرنے کا دن میں پانچ وقت سبق دیا، ایک شخص کی آواز پر پانچ بار ایک
جگہ پر اکٹھے ہونے کا طریقہ بتایا، مال کے چالیسویں حصے کو قوم کی بہتری کے لیئے فرض کردیا، تیرہ سو
برس تک سال میں تیس دن بھوکا رکھ کر نفس امارہ کو رام کرنے کا طریقہ بتلایا، ہر برس ہزار در ہزار خلق خدا
کو دنیا کے ہر گوشے سے ایک مرکز پر جمع ہونے کی حکمت دی، اور سب سے بڑھ کر کسی ماسوا کے آگے نہ جھکنے کا
بے مثال کلمہ مسلمان کے ماتھے پر لکھ دیا۔ اس سے زیادہ وہ پروردگار عالم تعالیٰ کیا دے سکتا اور وہ رحمۃ
للعلمین صلعم کیا لا سکتا تھا مگر حیف! کہ اس وقت اس تمام حکمت کے نچوڑ کو غیر قوموں نے جذب کرلیا ہی
وُہی سیدھی صفوں میں ہر وقت سرو قد کھڑے ہیں، اُنھی کا امیر اُن سے وہ فوجی قواعد کرا رہا ہی کہ ایک
دنیا دنگ ہی، وہ آواز دیتا ہے اور سب دم بخود ہو کر یکجا اور بے چون وچرا جمع ہو جاتے ہیں، مالی
قربانیاں وُہ کرتے ہیں کہ عقل حیران ہے، جانوں کو ہاتھ پر رکھکر جیلخانوں میں جاتے ہیں اور پھانسی کا
حکم سُنکر دلوں میں وہ کیف محبت ہی کہ وزن بڑھ جاتا ہے! اُنکے مردوں اور عورتوں، بچوں بلکہ بوڑھوں
نے خدا کے حکموں کی وہ سر بکف اطاعت پیش کی ہے کہ انگریزی حکومت کی سیاست کا دیوالہ نکل
چکا ہے۔ کروڑ در کروڑ مسلمانوں نے تیرہ سو برس تک روزوں کی مشق کی، روزے کو تقدس کا وہ درجہ

کسی وقت اور کسی لحظہ بھاگنا محال ہے! مسلمانوں کی توحید کا کسی زمانے میں یہ رنگ تھا کہ حضرت جنیدؒ
ایک دفعہ صرف تکیہ اور مٹی کا پیالہ لیکر اسلام کے دشمنوں سے لڑائی کے لیئے گھر سے نکلے، خدا کی راہ
میں جان دینے کا جوش اس قدر اور اسلام کو مدد اسقدر درکار تھی کہ بُری خبر سُننے کے بعد گھر بار، خان و
مان، فرزند و زن سب کو چند لمحوں کے اندر رخصت کر دیا۔ کچھ دیر سفر کرنیکے بعد پیالے کو دیکھکر خدا کے
اس سچے پرستار کو نظر آیا کہ ایسے آڑے وقت میں آرام پسندی کے اِس بُت کو ساتھ لگائے رکھنا
توحید کے منافی ہے۔ وہیں توڑ دیا۔ آگے چلکر تکیہ کی طرف نظر کی۔ اِس میں بھی شرک کا وہی خوفناک
بُت دکھائی دیا۔ پھینک دیا اور بوجھ ہلکا ہونے پر دو منزلوں کی ایک منزل کرکے پہلی صف میں شریک
ہو گئے! حضرت عمرؓ نے اِسی توحید کو بے لوث رکھنے کے لیئے اپنی بڑھتی ہوئی فوج کو عام حکم دیا
کہ سپاہی جس مُلک کو فتح کریں اُسمیں زمین نہ خریدیں، گھر نہ بنائیں، ہاتھ کا بُنا ہُوا کپڑا پہنیں، اُس
مُلک کی عورتوں سے بیاہ شادی نہ کریں وغیرہ وغیرہ۔ مقصود یہ تھا کہ فتح کی رفتار تھمنے نہ پائے اور
جبتک فوج کا یہ عمل رہا اسلام کو کوئی شئے نہ روک سکی۔ حضرت طارقؓ کے اندلس پر حملہ کرنے کے
وقت جبل الطارق میں کشتیاں جلا دینے کا مشہور واقعہ اِس قدر خون کو حرکت دینے والا ہے کہ
بارہ سو برس کے بعد آج بھی ہر مسلمان کو گرما دیتا ہے لیکن اِسکے اندر بھی توحید اور توکّل کی وہ حوصلوں
کو لاکھ گُنا بڑھانے والی اسلامی غیرت تھی جس کا منشا یہ تھا کہ اللہ کی رسّی کو پکڑکر سب ماسوا کو ہیچ
اور لاشئے عملاً ثابت کر دیا جائے۔ آج دوسری قومیں اِس توحید کو مسلمانوں سے لیکر ترقی کے بلند سے
بلند میناروں پر چڑھ رہی ہیں اور مسلمانوں کی بے دماغی اور بدحواسی بلکہ بدبختی کا یہ عالم ہے کہ دنیا
میں ہمیشہ کے لیئے طاقتور رہنے کے اِس اصل اصول کے موجد اور خدائے عزّ و جلّ

فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا ✝ پس مسلمان کی اوّل اور آخری پناہ توحید ہے وہ جب تک اس توحید پر عامل نہ ہونگے اِس دنیا میں ہرگز ہرگز پنپ نہیں سکتے۔ اگر اس منطق کے بعد ہر مسلمان اپنے گھر کی درستی اور اصلاح نفس کی تحریک کی طرف مذہبًا مجبور نہ ہو جائے تو پھر میرے پاس اسکو مجبور کرنے کی اور کوئی تجویز ہرگز موجود نہیں

ہمدرد۔ جنابِ والا! اگر اس وضاحت کے بعد مجبور نہ ہو جائے تو فی الحقیقت کمال بدبختی ہے۔ توحید پر عمل کرنیکے نتائج اس قدر روشن اور واضح ہونیکے باوجود مسلمان اگر توحید کو پھر اختیار نہ کریں تو یقینًا اصلاح کی کوئی دوسری تجویز ممکن نہیں۔ تلن کراہ کے مطالعے کے بعد ہم نے اِسی توحید کے موضوع پر کئی مخلصانہ صحبتیں آپس میں کیں، اکثر اوقات آدھی آدھی رات تک بیٹھکر سوچا گیا کہ دنیا اور آخرت کی بہتری کے اِس واحد اصل اصول اور عالمگیر قانون کو کیونکر پھر مسلمانوں میں رائج کر دیا جائے۔ اِسکے لیئے ایک بڑے پیمانے پر تبلیغ درکار سمجھی۔ کبھی سوچا کہ صحیح توحید کی اہمیت اور فطری صداقت کا ہر مسلمان کو فردًا فردًا قائل کر کے اُس سے عہد و پیمان لیا جائے، مختلف مرکزوں پر اس توحید کے مبلّغ ہوں، اخبارات میں اشاعت ہو، مختلف رسالے اس موضوع پر لکھوا کر مفت تقسیم کیئے جائیں، جناب کی تصنیف کی اشاعت عام کر دی جائے، مستقل سرمایہ کا انتظام ہو وغیرہ وغیرہ۔ کئی تجویزیں پیش ہوئیں اور کئی دفعہ صفِ اوّل میں عمل کے لیئے تیار ہوئے مگر جس منزل پر پہنچنے کیلئے آنکھیں ترس رہی ہیں وہ منزل ان تجویزوں سے طے ہوتی نظر نہ آئی۔ جناب کی تقریر سے اب بالکل واضح ہو گیا کہ اصلاح نفس کی تحریک میں توحید کی منطق بذاتِ خود وہ چاشنی ہو گی جو ہر شخص کو مذہبًا اس میں شامل ہونے پر مجبور کر دے گی۔ یہ قوت حاصل ہو گئی تو قرونِ اولیٰ کا سماں پھر آنکھوں کے سامنے بندھ جائیگا، اسلام کے سپاہی عاجز اور غریب بندے بنکر اللہ کی مزدوریاں کرتے ہوئے پھر نظر آئینگے، پھر اللہ کی گواہی دینے

✝ ترجمہ۔ پھر اُن کے بعد ایسے ناخلف لوگ آئے جنہوں نے اپنی نمازیں ضائع کر دیں اور شہوتوں کی پیروی کی تو عنقریب ان کو ہلاک کر دیا جائے گا۔

دیا کہ روزہ دار کے منہ کی بدبو کو خوشبو، اور آسمان کے فرشتوں کو اُسکے لعابِ دہن چاٹنے کے لیئے کہا، ماہِ صیام کی وہ وہمی اور فرضی فضیلتیں دکھلائیں کہ آسمان کے کروڑ در کروڑ فرشتوں کو اس مہینے کی تعظیم کے لیئے زمین پر اُتارا۔ قرآن بلکہ حدیث اور کلام میں ان مَن گھڑت باتوں کی کوئی سند نہیں، روزہ صرف اپنے نفس کو مطیع کرنے اور جہاد کے دن اسلام کے کام آنے کیلئے ہی، سپاہی کو طاقتور اور ناقابلِ شکست بنانے کیلئے ہے، خدا کو کیا ضرورت ہی کہ اُسکے تقدس میں آسمان سے فرشتے اُتارتا پھرے۔ تاہم چاہیئے تھا کہ اِن کہانیوں کا عام لوگوں کی زبان پر ہونا روزے کی اہمیت کو دس گنا بڑھا دیتا لیکن اِن تمام دروغ بافیوں اور آٹھ کروڑ مسلمانوں کی عام فاقہ مستی کے باوجود ہندوؤں کی دولتمندا اور فاقہ سے نا آشنا قوم کے فارغ البال شخص (جتندرا ناتھ) داس (غلام) کا ستر دن کا کڑاکے کی گرمیوں میں مسلسل روزہ اُسکی اپنی قوم کے لیئے وہ کام کر گیا کہ اُسنے انگریزی حکومت کے عظیم الشان محل کی بنیادیں ہلا دیں۔ بدبخت آٹھ کروڑ مسلمانوں میں سے ایک نہ نکلا جو اس روزے کا مقابلہ کرتا اور اس "غیر آسمانی" اور "غیر شرعی" روزے کو بے وقعت کر دیتا! پس میرے نزدیک یہ پچھلے کئی سو برس کی نمازیں اور روزے سب اکارت ہیں، اِن سے جنت کیا دوزخ کا بہترین گوشہ بھی نہیں مل سکتا۔ یہ روزے اور نمازیں نہیں پچھلوں کی ناخلفی اور شہوتوں کی پیروی ہے، ان کا نتیجہ ہلاکت ہی، ان سے اُمت کے دل نہیں جُڑے، اِن سے اتحاد پیدا نہیں ہوا، اِن سے ایک مرکز نہیں بنا، ان سے اطاعت پیدا نہیں ہوئی، اِن سے ایک امیر نہیں بنا، اِن سے نفس رام نہیں ہوا، ذاتی اغراض اور نفسانی شہوات اُلٹی دس گنا بڑھ کر قوم اور بکھر گئی، ان کا اولین نتیجہ شکست اور ہلاکت ہی، اور انجام دوزخ ہے، آگ کا گڑھا ہے: فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ

سیاست بلکہ ذاتی اور فوری نفع کی بنا پر بھی ہوسکتا ہے۔ ایک گروہ یا شخص اپنے ہم قوم گروہ یا شخص سے اختلاف اور تصادم اس لیئے پیدا نہیں کرتا کہ اسمیں قومیت کمزور ہوتی ہے اُسکی اپنی بدنامی ہوتی ہے، یا ملکی سیاست کو نقصان پہنچتا ہے۔ یا دکان دار سودا تولتے وقت سیدھی ڈنڈی اس لیئے رکھتا ہے کہ اسمیں اُسکی تجارت کو فائدہ ہے، یا شرابی شراب اسلیئے چھوڑ دیتا ہے کہ اُس مرض سے نجات پائے جس میں مبتلا ہے۔ یہ تینوں مثالیں نفس کُشی کی ضرور ہیں، خدا کے نزدیک انکی قدر و قیمت ضرور ہے نتائج میں ظاہرا فرق نہیں مگر ان میں خدا کی ملازمت کا زندہ اور گرما دینے والا تخیل موجود نہیں اِسی طرح پر عدم تشدد کا سیاسی حربہ جسکو کانگریس ایک مدت سے حکومت کے خلاف استعمال کر رہی ہے اصلاح نفس کا ایک ادنیٰ جزء ہے۔ گولی یا لاٹھی مارنے والے کو کچھ نہ کہنا اور اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دینا بلا شُبہ ایک بُت شکنی ہے، نفس کے دیو کو مطیع کرنا ہے۔ اِسمیں وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ٭ کے قرآنی حکم کے رُو سے خدا کی ملازمت اور اُسکے احکام کی تعمیل بھی ہے حکم کی تعمیل کے صلے میں خدا کے ہاں سے دنیاوی یا سیاسی بہتری کا سامان بھی ہے، اُخروی اجر بھی عاملوں کو ان کے اعمال کے مطابق مل سکتا ہے لیکن کانگریس نے چونکہ عدم تشدد کا اعلان انگریزوں سے انتقام لینے یا مسلح حکومت کا خاموش مقابلہ کر کے اُسکا نظم و نسق بگاڑنے کی نیت سے کیا اور خدا کی نوکری کا تخیل اُن لوگوں میں نہیں جو اسپر عامل ہیں اسلیئے اِسمیں صحیح اصلاح نفس پیش نظر نہیں، نہ نفس کی اصلاح اِس سے لازمًا پیدا ہو سکتی ہے۔ خدائے ذو الجلال کی ملازمت کے تخیل سے دنیا اور آخرت دونوں پیشِ نظر ہو جاتی ہیں، دنیا میں جماعت کی بہتری اور آخرت میں انفرادی بہتری کا خیال

٭ (ترجمہ) غصے کو روکنے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے (خدا کو پسند ہیں)۔

والے مجاہدوں کو اللہ کا رنگ اور اللہ کی چپڑاس پہنے ہوئے بازاروں میں مصروف عمل دیکھنا نصیب ہوگا۔ مسیح علیہ السلام کے قول کے مطابق عاجز اور غریب دل لوگوں کی آسمانی بادشاہت" پھر قائم ہو جائے گی۔ جناب والا سے اب صرف اس تحریک کے لباس کی تفصیل درکار ہے۔ خط و خال کا جو دلچسپ نقشہ جناب نے کھینچا اُس کے تصور نے ہم کو اور بھی بے چین کر دیا ہے۔

سولھواں باب

خاکساروں کی تحریک اصلاح نفس کا دستور العمل اور بیلچہ

مصنف۔ جناب والا کے اِن الفاظ سے ظاہر ہے کہ آپ نے نہ صرف توحید کے الٰہی فلسفے کو صحیح سمجھا ہی بلکہ اصلاح نفس کی تحریک کو سمجھنے میں پوری ہوشمندی سے کام لیا ہے۔ تشریح کی اِس منزل پر جبکہ میں نے نفس تحریک کے متعلق کوئی تفصیل نہیں کی اور ابتک صرف اصول قائم کیے ہیں جناب کی سخن شناسی قابل صد تعریف ہی۔ آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ مسلمان نکتہ فہم اور معاملہ سنج ضرور ہیں اور اب میرا خیال ہے کہ جو کہنا اور جس طرح پر اِس حرکت کو چلانا ہے اُس کے متعلق مختصر اشارات کر دوں۔ جہاں گنجائش ہوئی تشریح بھی کر دوں گا۔ آپ نے اِس تمام تفصیل میں جو میں نے کی ہی ملاحظہ کیا ہوگا کہ اصلاح نفس کی تحریک فی الحقیقت توحید اور اللہ کی ملازمت کی عظیم الشان حکمت پر عمل پیدا کرنے کا ایک ادنیٰ جزو ہے۔ اس بنا پر اس تحریک کی پہلی کئی منزلوں میں صرف وہی لوگ شامل ہونے چاہئیں جنھوں نے توحید اور بت شکنی کو صحیح سمجھا ہی۔ نفس کے بتوں کو توڑنا اکثر اوقات قومیت یا

ہوگا۔ اِلّا یہ کہ تشدّد اسقدر بڑھ جائے کہ حفظ نفس کیلئے مقابلے کی ضرورت ہو۔ کھدر پہننیگے تو صرف اپنے نفس کو مطیع کرنے کیلئے، ترک موالات کرینگے تو صرف اس نقطۂ نظر سے کہ خدا کی ملازمت میں خلل نہ آنے پائے حکومت کے کسی قانون کی نافرمانی نہ کرینگے مگر اُسوقت کہ اُسکی اطاعت، ملازمت خدا میں صریح طور پر حارج نہ ہو۔ اسلام کے اس اصول پر کہ عجز اور مجبوری میں کچھ گناہ نہیں عامل رہینگے۔ اس بنا پر اصلاح نفس کے عاملوں کی حکومت سے نہ نفرت ہوسکتی ہے نہ دشمنی، ان کا لائحہ عمل قطعاً علیحدہ ہے اور کسی حکومت یا انجمن یا قوم کے اصولوں سے ٹکرانا اُسوقت تک ممکن نہیں جبتک کہ ٹکرانے کے اسباب خود پیدا نہ کیئے جائیں۔ روحانیت کو صحیح معنوں میں پیدا کرنیکا واحد ذریعہ خدا کی ملازمت ہے اور اگر اس بندگی میں خدا کی مخلوق کے کسی حصے حتّٰی کہ حکومت سے انتقام یا دشمنی کا جذبہ موجود ہو تو اس روحانیت کا مفقود ہوجانا اٹل ہے۔ پس اصلاح نفس کے ہر عامل میں سیاست کی بجائے روحانیت کا بدرجۂ اتم ہونا ضروری ہے۔ اصلاح نفس میں صرف خدا سامنے ہے اور پروردگار عالم کی پیشی میں کسی سے لاگ رکھنا ہرگز درست نہیں۔ اصلاح نفس کے عامل کا سلوک ہر شخص سے بلا تفریق رنگ و مذہب یہ ہو کہ ہم خدا کے ہیں، خدا سے اُجرت مانگتے ہیں، اُس سے اُجرت مانگ کر خدا کے موجود ہونے کی صاف گواہی دے رہے ہیں، ہم اپنے خُلق، خاکساری اور عاجزی کے زور پر ہر شخص کو اپنا نوکر نہیں خدا کا نوکر بنا کر رہینگے، توپ تلوار اور تفنگ کا زور ہمارے پاس قطعاً نہیں۔ تحریک کا چلن اس طرح پر ہونا چاہیئے۔ اعلان کرنیکے بعد ہندوستان کے مختلف شہروں قصبوں اور گاؤں میں کم سے کم مدّت کے اندر ایسے دردمند اشخاص پیدا ہوجائیں جو مختلف مرکزوں میں سالار بنکر اس تحریک کے چلانے کا ارادہ کرلیں۔ ارادہ کرنے والے لوگ صحت مند اور فارغ البال ہوں، پچیس[25] برس سے کم اور ساٹھ برس سے زیادہ عمر کے نہ ہوں، اُنکی حاجتیں اس قدر کم ہوں کہ وہ اُن کو خود اپنی جیب یا اپنے دست و بازو سے پورا کرسکیں۔ سوال کرنے میں اُنھیں شرم آئے، افکار کم ہوں اور

انسان کو دس گُنا حرکت اور عمل کے قابل بنا دیتا ہے۔ نیکی کو نیکی اور صحیح سمجھ کر کرنا، اُسکو دشمن سے انتقام
لینے کی خاطر نہ کرنا، اسمیں زمین و آسمان کے حاکمِ اعلےٰ کی ملازمت اور مالکِ دوجہان کی خوشنودی کا سامان
دیکھنا انسان کے اندر وُہ حرکت اور وُہ دورانِ خون پیدا کر دیتا ہے جو صرف سیاست یا قومیّت کے تخیّل سے ہرگز
پیدا نہیں ہو سکتے۔ جس نیک کام کرنے والے کے پیشِ نظر خدا اور آخرت کا اجر نہیں، اسکی نیکی میں قیام
اور ولولہ ہرگز نہیں، اسکا ہوا پر تکیہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ کانگریس کا عدم تشدّد دیرپا ہرگز نہیں رہ سکتا۔ کھدّر
پہننے میں بُت شکنی ضرور ہے، نرم نرم کپڑوں کے آرام دِہ بتوں کو توڑنا ضرور ہے، اِس بُت شکنی کا جو
سیاسی فائدہ قوم کو مل رہا ہے ظاہر ہے لیکن کھدّر کو انگریزوں کی تجارت کو نقصان پہنچانے کی نیّت سے
پہننا پہننے والے کے دل میں نہ اصلاح نفس کا تخیّل پیدا کر سکتا ہے نہ نفس کو بے آرام کرنے سے خدا
کی ملازمت اختیار کرنے کا حوصلہ افزا ہیجان اُسکے دل کو گرما سکتا ہی۔ الغرض اصلاح نفس کی تحریک کو
صحیح طور پر چلانے کیلئے اسکی پہلی کئی منزلوں میں وہی لوگ شامل ہونے چاہئیں جن میں سیاسی مصلحت
یا انتقام کے جذبہ کی بجائے اللہ کی ملازمت کا زندہ جذبہ موجود ہو اور جن کا آخرت پر پُورا الیقین ہو، عام
اعلان ہو کہ اصلاح نفس کے عاملوں کا مُلکی سیاست سے کوئی تعلق نہیں، اُنکے پیش نظر حکومت کی
مخالفت نہیں، حکومت سے ترک موالات نہیں، سول نافرمانی نہیں، کسی سے انتقام لینے کا جذبہ نہیں انکے
سامنے خدا اور صرف خدا کی ملازمت ہی، ماسوا سے قطع تعلق ہی پیہم بُت شکنی ہی، نفس کی اصلاح ہی۔ عدم تشدّد یا
کھدّر کا پہننا، ترک موالات، سول نافرمانی وغیرہ وغیرہ خاصکر اُنکے لائحہ عمل میں داخل نہیں، وہ عدم تشدّد پر
ہر حالت میں اور ہر موقع پر حتیّ الوسع عامل رہینگے۔ اسمیں اُنکی مدِمقابل خاص طور پر حکومت ہی نہ ہوگی، بلکہ جو
مقابل فریق بھی اُن پر تشدّد کرے گا اللہ کی ملازمت پیش نظر رکھکر اُسکا جواب اُنکی طرف سے عفو و درگذر

مزدوریاں دارالاقامۃ سے باہر عام لوگوں کے گھروں میں ہونگی۔ تین گھنٹے مزدوری کی اُجرت تین آنے سے
کم اور آٹھ آنے سے زیادہ نہ ہونی چاہیئے۔ عامل اپنی اپنی مزدوریوں کے موقعے خود تلاش کریں گے اور
اُجرت اپنے پاس رکھیں گے۔ انہی اجرتوں میں سے اپنے کھانے پینے اور کرایہ مکان کا خرچ جو آٹھ
آنے مہینے سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے ادا کرینگے۔ اگر سالار اس قدر اُجرت پیدا نہ کر سکیں تو باقی خرچ
بھی اپنی جیب سے ادا کرینگے لیکن تین آنے روزانہ سے کم کمائی افضل نہ سمجھی جائے گی۔ کھانے پینے کا
انتظام دارالاقامۃ میں یکجا ہوگا۔ خوراک سادہ مگر نہایت عمدہ اور صحت بخش ہونی چاہیئے۔ انتظام اِس
قدر عُمدہ اور اشیا اِسقدر کفایت سے لی جائیں کہ کرایہ مکان شامل کرکے دس روپیہ ماہوار سے زیادہ خرچ
نہ بڑھے۔ دس گیارہ بجے کے بعد چار پانچ گھنٹے تک فراغت ہو۔ سالار آپس میں ملکر تبادلہ خیالات
کرسکتے ہیں لیکن عام خاموشی مدِنظر رہو۔ عصر کے وقت سب سالار شہر کی جامع مسجد میں یکجا جمع ہوں
اور آپس میں دو گھنٹہ تک کھلے طور پر مشاورت ہو، وعظ اور لکچر بھی ہوں، عام گفتگو زیادہ ہو، لوگوں سے
تالیف قلوب ہو، اُسوقت لباس نہایت اُجلا ہو۔ لکڑیاں چُننے والے، سُوت کاتنے والے، ٹوپیاں
کاڑھنے والے، قرآن لکھنے والے وغیرہ وغیرہ اپنے اپنے گٹھوں اور دستکاریوں کو اگر وہ صبح کے وقت
فروخت نہ ہوئی ہوں مسجد میں یا مسجد سے باہر لے آئیں، وہاں پر خرید و فروخت کا انتظام ہو، تین آنہ
ایک روز کی دستکاری کا عام نرخ ہو اور سب کو معلوم ہو، خریدار خاموشی سے رقم ہاتھ میں دیں اور اپنی چیز
اُٹھالے جائیں۔ لیکن مرکز میں تعلیم حاصل کرنے والے سالاروں کا سب سے زیادہ اہم وقت شام کا وقت ہے
مغرب کی نماز سے ٹھیک دو گھنٹہ پہلے سالار مٹی کے رنگ کا خاکی کرتہ اور خاکی پاجامہ پہن کر دارالاقامۃ سے
باہر نکلیں اور فوج کے سپاہیوں کی طرح قطاروں میں کھڑے ہو جائیں، پگڑی یا ٹوپی بھی اگر خاکی ہو تو

کسی سے نفع کی امید نہ ہو۔ یہ لوگ بلا توقف تحریک کے مرکز میں جو میری رائے میں کسی مرکزی مقام کے قریب ہو اپنے ارادہ سے اطلاع دیں۔ اطلاع دینے کے بعد دس روز انتظار کر کے اس مرکز میں ٹھہرنے کیلئے چل پڑیں۔ مرکز میں ایک جگہ ٹھہرنے کا انتظام ہو لیکن ہر ایک کا اپنا اپنا خرچ ہو اور کسی پر بوجھ نہ ہو۔ اوّل اوّل تحریک اُسی جگہ پر شروع ہو۔ تحریک کو چلانے والے اصحاب سب سے پہلے خود سپاہی بن جائیں، سپاہیوں کی اطاعت، سپاہیوں کی وقت کی پابندی، سپاہیوں کی خاموشی، اور سپاہیوں کا بے چون وچرا عمل سیکھیں۔ تین ہفتے سے لیکر تین ماہ تک اُس مرکز میں اصلاح نفس کا علم و عمل حاصل کریں۔ دارالاقامۃ میں زندگی نہایت سادہ اور منظم ہو۔ لباس اسلامی ہو۔ کھانے مکلّف نہ ہوں، پیدل چلنا ہو، دل صاف ہو، کپڑے نہایت اُجلے ہوں، مکان ستھرا اور روشن ہو، مذہب پر خاموش اور اجتماعی عمل ہو، کسی کے "مذہبی عقیدے" کے متعلق ذکر نہ ہو، مذہب یا سیاست کے کسی اختلافی معاملے یا مسئلے پر بحث نہ ہو، عام خاموشی ہو، بلکہ عام خاموشی کے سوا خاموش ذکر و فکر کا مقررہ آدھ گھنٹہ بھی صبح کے وقت ضرور ہو۔ ان سالار عاملوں کو صبح کی ضروری مصروفیت کے بعد تین گھنٹے تک ہفتہ میں چھ دن مزدوری کرنی ہوگی۔ مزدوری کے وقت سب کا لباس عام مزدوروں کا ہوگا۔ مٹی کھودنا، مٹی یا اینٹوں کی ٹوکری اٹھانا، جنگل سے لکڑیاں چننا، پانی کی مشک یا گھڑے اٹھانا، جوتوں اور کپڑوں کی مرمت کرنا، سوت بننا، ٹوپیاں کاڑھنا، قرآن لکھنا، بکریاں چرانا، ہل جوتنا، کپڑے سینا، مال بیچنا*۔ یہ سب مزدوریاں افضل سمجھی جائیں گی لیکن ان کے سوا جو مزدوری یا دستکاری بھی چاہیں کر سکتے ہیں۔ ان مزدوریوں کے اوزار اور سامان عامل خود اپنے خرچ سے مہیا کریں گے۔

* یہ وہ مزدوریاں ہیں جو پیغمبران دین اور بزرگان اسلام نے وقتاً فوقتاً کیں۔

قدم نہ رکھیں، اُن کا پانی بھریں، اُنکی دستکاریوں کو بازار میں فروخت کریں، اُنکی روٹیاں پکوائیں، اُنکی خانگی تکلیفوں کو رفع کریں، کسی کا مکان بن رہا ہو تو اجازت لیکر جہاں ضرورت ہو مٹی کھود دیں، مٹی یا اینٹوں کی ٹوکریاں بھر کر موقع پر لے جائیں، پانی کی ضرورت ہو تو پانی مہیا کریں، دُرمٹ سے فرش پختہ کرنا یا اور آسان کام ہو تو اُسمیں مدد دیں، معماری اگر عمدہ طور پر آتی ہو تو مالک کی اجازت سے مکان تعمیر کرنے میں مدد دیں، مصالحہ لاد کر لانا ہو تو لے آئیں، آسودہ حال شخصوں کے پاس جاکر اُن سے خدمت پوچھیں، انکی خدمت پر نرمی سے اصرار کریں، بلکہ اُن کے نوکروں کی خدمت کریں، مسافر جا رہا ہو اُسکا اسباب اُٹھائیں، بچّہ کو گود میں لے لیں، مزدور بوجھ لے جا رہا ہو تو اُسکا ہاتھ بٹائیں، ہر بوجھ والے کا بوجھ ہلکا کریں، گداگر تکلیف میں ہو تو اسکی تکلیف رفع کریں، اُس سے ہمدردی ظاہر کریں، شہر یا گاؤں کی سڑکیں خراب ہوں تو اُنکی مرمت کریں، جس جگہ پانی کھڑا رہتا ہو اُس کو اونچا کریں، نالی خراب ہو تو اسکی صفائی کریں، گاؤں میں چوری کا خطرہ ہو تو اُسکے گرداگرد باڑ لگادیں، کنوئیں خراب ہو جائیں تو اُن کو صاف کریں، کوئی مر گیا ہو تو نماز جنازہ میں شامل ہوں، شادی ہو تو انتظام میں مدد دیں، مہمانوں کو کھانا اور پانی دیں۔ شادی اور مرگ کے موقع پر خود کھانے میں شامل نہ ہوں بلکہ عام طور پر کسی کے ہاں سے کچھ لینا نہ ہو، جو خدمت ہو بے غرض اور بلا اُجرت ہو۔ لیکن ان تمام امور اور خاصکر عورتوں سے سلوک کرنے میں اسلامی شرم و حیا اور بے غرضی کا پُورا لحاظ ہو۔ سالار عامل عورت سے کافی فاصلے پر کھڑا ہو، کسی صورت میں اُسکا ہاتھ عورت کے کپڑوں یا ہاتھ سے نہ چھُوئے بلکہ عورت سے ضرورت سے زیادہ کوئی کلام ہی نہ ہو، الغرض دس بیس یا پچاس نہیں سینکڑوں کام موقع کو دیکھکر ہو سکتے ہیں جو دیوں کو موہ سکتے ہیں۔ اِس تمام خدمتِ خلق میں جسکی ایک ادنےٰ تصویر میں نے پیش کی ہو کسی ہندو مسلمان

اور اچھا ہے صفیں بالکل سیدھی ہوں، جسم مستعد نظر آئیں، اُن میں سر سے پاؤں تک زندگی ہو، دائیں ہاتھ کو ناف تک اونچا کر کے اسمیں کندھے پر ٹکا ہوا زمین کھودنے والا بیلچہ ہو جس کا دستہ ہاتھ میں اور پھل آسمان کی طرف ہو۔ بیلچہ کا دستہ اور پھل دونوں نہایت صاف اور صیقل شدہ ہوں، صبح کی روزانہ خاموشی کے بعد نصف گھنٹہ تک سُرخ اینٹ اور ریت سے صاف کیئے جائیں، تمام سالاروں کے چہروں میں اِس خاکی ہتیار اور خاکی لباس کو زیب تن کر کے خاکساری ہی خاکساری نظر آئے، خدا سامنے ہو، اللہ کا نام بلند کرنا اور قوم کو متحد کرنا سامنے ہو، خُلق سے دلوں کو مطیع کرنے کا دھیان سامنے ہو، مٹّی کی طرح عاجز بن کر اپنے مغرور نفسوں کو کمزور کرنا سامنے ہو، دلوں کے اندر اِن دو گھنٹے کی عبادت میں خدمتِ خلق کے سوا کوئی دھیان نہ ہو۔ سب سے پہلے آدھ گھنٹے تک اُردو یا فارسی زبان میں سپاہیانہ قواعد ہو، اسکے بعد سالاروں کا سردار فوج کو کوچ کا حکم دے۔ سالار بعینہ انگریزی فوج کی طرح قدم ملا کر چلیں، قد سیدھا ہو، نظریں زمین سامنے ہوں، لیکن خاکساری کے نصب العین بلکہ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ٭ کی قرآنی اور ربانی حکمت کو پیش نظر رکھ کر انگریزی فوج کے سپاہیوں کی طرح چھاتی میں بے اندازہ اُبھار اور قدم میں متکبرانہ آواز نہ ہو۔ سالار عاملوں کا سردار عاملوں کے ساتھ قدم ملا کر چلے، شہر کے ایک محلّے میں جا کر اُن کو کھڑا ہونے کا حکم دے۔ کھڑا ہونیکے بعد سب سالار اپنے اپنے بیلچے کندھے پر اُٹھا کر مختلف گھروں میں جائیں، دروازے پر جا کر دھیمی آواز سے گھر والوں کو خدمت کے لیئے کہیں، بیمار کی بیمار پرسی کریں، دوا دارو لائیں، ڈاکٹر یا حکیم بلانا ہو تو بلائیں، دوسری مناسب خدمت کریں، بوڑھی اور بے بس عورتوں کے گھروں کا سودا لائیں لیکن اُنکے مکانوں کے اندر بلا اجازت

٭ (ترجمہ) اور اے بندے! یاد رکھ زمین پر اکڑ اکڑ کر مت چل کیونکہ ٹھکرا کر چلنے سے تو زمین کو پھاڑ نہیں سکے گا اور تن کر چلنے سے تو پہاڑ کے برابر نہ ہو سکے گا۔

یا اکھیڑنے میں مدد دیں، اُن کے گھوڑوں کی خدمت کریں، گھوڑوں کے لیئے گھاس سستے نرخ پر پیدا کریں، خدمت کے بعد 'صاحب' سے بخطر خود ملیں، انکو اپنی تحریک کی اہمیت اور ضرورت جتلائیں، اُنپر واضح کریں کہ اللہ کی غلامی کیا ہے، بُت شکنی اور اصلاح نفس کیا ہی، خدا کی عبادت کے کیا معنی ہیں۔ یہ لوگ ان باتوں سے اکثر نا آشنا ہیں، روحانیت کا تخیل ان میں اکثر نہیں اور ایسی باتیں انکے لیئے باعثِ تعجب ہیں۔ سعدی علیہ الرحمۃ کا مشہور شعر "عبادت بجز خدمتِ خلق نیست ؛ بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست" پڑھکر یہ سمجھائیں کہ اسلام کے بڑے سے بڑے داناؤں نے خلقت کی خدمت کرنا ہی اللہ کی صحیح معنوں میں عبادت کہا ہی۔ نمازیں جو ہم پنجوقتہ پڑھتے ہیں صرف نوکر کا پنجوقتہ سلام ہیں، نوکری اور ملازمت الگ شئ ہے، وہ صرف ہاتھ پاؤں کا عمل ہے۔ جو شخص خلقت کی خدمت کر رہا ہے اور خلقت سے اُجرت کی امید نہیں رکھتا وہ خدا کا نوکر ہے، اللہ کا غلام ہے، اللہ کا غلام اور اللہ کا عابد بننا ایک شئ ہیں اسلیئے خلقت کی خدمت اور عبادت بھی ایک شئ ہیں۔ انکو بے خطر کہیں کہ جب سے مسلمانوں نے خدمت خلق کو چھوڑ دیا دنیا میں ذلیل ہو گئے، اُن میں اخلاقی اور معاشرتی کمزوریاں آگئیں، اُن میں مساوات نہ رہی، اُن میں بڑے اور چھوٹے الگ ہو گئے، انکی فرقہ بندیاں بڑھ گئیں، انہوں نے غلط طور پر صرف نماز اور تسبیح اور گدڑی پہنکر فقیر بننے کو اللہ کی عبادت سمجھ لیا جیسا کہ اس شعر سے واضح ہے، وہ گوشوں میں الگ بیٹھ کر اور اللہ کے دیئے ہوئے ہاتھ پاؤں کو بیکار سمجھ کر کاہل ہو گئے، کاہل ہو کر دنیا کو لات مارنا شروع کیا، پھر اُن میں تجارت اور علم نہ رہا، دولت اور حکومت نہ رہی، خدا کی نعمتوں کی صحیح قدر دانی نہ رہی، وہ دنیا سے نفرت کرتے رہے لیکن دنیا اُن سے بیزار ہو کر خود بھاگ گئی۔ الغرض اس طرح کی باتوں اور بے خطر تبلیغ سے دلوں کے اندر جو حلقے پیدا ہوتے ہیں،

پارسی، سکھ، عیسائی، انگریز بلکہ دوست، دشمن یا حکومت کے ملازم یا غیر ملازم کی خصوصیت قطعاً نہ ہو۔ ہندوؤں اور سکھوں وغیرہ کے محلّوں میں جاکر نہایت جوش اور خلوص سے خدمت کیلئے درخواست کی جائے، ہندو بھائیوں اور بہنوں کو نہایت عزت سے مخاطب کیا جائے، جن خدمتوں سے اُن کو مذہبی پرہیز نہ ہو بے دھڑک کی جائیں، انگریزوں اور عیسائیوں کے بنگلوں پر جاکر بے خوف و خطر خدمت کے لیے درخواست کیجائے، انگریز ملاقات کیلئے باہر نکلے تو بیلچے کو کندھے پر رکھکر اور دائیں ہاتھ کو دھماکے سے بیلچے کے دستے پر چینچاکر فوجی سلام کیا جائے، کچھ پوچھے تو اُسکا متانت اور ادب سے جواب ہو، جواب میں عاجزی نظر آئے، جناب کہکر خطاب ہو، جب رخصت ہونا ہو تو فوج کے سپاہی کی طرح رخصت کا فوجی سلام ہو۔ الغرض انگریز کو ملک کا بادشاہ سمجھ کر اس سے شاہانہ اور فیاضانہ سلوک کیا جائے۔ یاد رکھا جائے کہ زمین کی بادشاہت دینے والا خدا ہے جس کو مناسب سمجھتا ہو دیتا ہے۔ کسی خدمت کیلئے انگریز کہے تو نہایت مستعد ہوکر اور خلوص سے کی جائے حتی الوسع انگریزوں کے مجلسی آداب کا لحاظ کیا جائے، سالارِ عامل اتوار کے روز اُن کے پاس نہ جائیں یہ اُن کے آرام کا دن ہو۔ لیڈیوں سے چند قدم دور رہ کر باتیں کی جائیں، اُنکو جناب کہکر خطاب کریں انگریزوں کی خدمتیں نہ بھی ہوں تو بھی عاملوں کو اپنی خاکساری اور دوستی کے اظہار کیلئے انگریزوں کے پاس ضرور جانا چاہیئے، اُنکے خانساموں اور بیروں کے گھروں کی خدمت نہایت خلوص سے ہو انگریزوں افسر دورہ کرتے ہوئے کیمپ میں شہر سے باہر اُتریں تو سالاروں کو انکی خدمت کے لیئے مقررہ وقت پر جانا چاہیئے، خانساموں کی وساطت سے اُنکے کھانے پینے کا سامان فراہم کریں، اُن کے لیے مرغیاں انڈے مناسب داموں پر پیدا کریں، پانی کا سامان فراہم کریں، خیموں کو گاڑنے

* قرآن حکیم میں ہے۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔

ہمدرد۔ جناب والا! مایوسوں کو امیدوار اور مُردوں کو زندہ کرنے کا یہ مسیحائی علاج ہر حیثیت اور ہر مقامِ نظر سے ایک بےمثال معجزہ ہے۔ اسمیں ہر قدم پر سربلندی، طاقت اور صحت کی لازوال حکمت ہے، اسمیں قُم بِاِذْنِی کا عالم انگیز افسون اور ہمیشہ کی زندگی کا اکسیر اعظم موجود ہے۔ آپنے اس بیان سے ہر دردمند شخص کے اعضا میں زندگی کی پکار اور اُسکے دل میں مطلب کی تڑپ پیدا کر دی ہے۔ میں اپنی کمال بے دماغی سمجھتا ہوں کہ علم کے اس بلند مرتبے اور تدبیر کے اس افقِ اعلےٰ پر پہنچکر اعتراض کروں شرم مے پسینہ پسینہ ہوا جاتا ہوں لیکن شرمندہ ہونے سے زیادہ اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ دل میں خلش کہیں نہ رہنے دوں۔ جناب کی تدبیر حرف بحرف صحیح ہے، اسکا ایک ایک حرف قوم کی گہری توجہ کے قابل ہے ہیرے دماغ میں اُسکی اہمیت واضح ہو چکی ہے لیکن میرے خیال میں جناب کا یہ فرمانا کہ اصلاح نفس کے عامل جنکو جنابنے خاکسار کا نہایت موزوں اور معنی خیز نام دیا ہے، خدمتِ خلق کے موقع پر بیلچہ جیسے نہایت اوپرے اور شرم دلانے والے ہتیار کو اُٹھائیں اور اٹھا کر سپاہیوں کی طرح قواعد کریں عملی نقطۂ نظر سے کانگریس کے چرخہ کاتنے کے حکم سے بدرجہا مشکل تر مسئلہ ہے اور مجھے ڈر ہے کہ اس عزیز اور مفید حرکت کو صرف اس وجہ سے زک نہ پہنچے کہ اسمیں بیلچہ کو اُٹھانا شامل ہے۔ مزید برآں کانگریس کا حکم چرخہ کو صرف اپنے گھروں کے اندر چھپ کر کاتنے کا تھا اسکے زیر اثر کچھ لوگ چار و ناچار کاتتے تھے، اکثر لوگ چرخہ کو یونہی گھروں میں رکھتے اور لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہو جاتے مگر اب مسلمانوں جیسی تیس مار خاں اور مغرور قوم کے لیے آپنے نہایت دلیری سے حکم دیا ہے کہ بیلچے کو کندھے پر اٹھا کر سر بازار چلیں۔ جناب کے درد دل اور اس عمل کی عظیم الشان حکمت سے انکار کیا ہو سکتا ہے مگر جو ڈر ہے من و عن عرض کر دیا۔ مسلمان کا خمیر اکڑ اور خودداری سے بنا ہے تاہم مجھے امید ہے کہ وہ خاکی رنگ

دلیریاں بڑھتی ہیں، سچ بات کہنے کا خوف نہیں رہتا، اپنے کاموں پر یقین اور دلوں میں بڑھتا ہے۔
یہی سلوک حکومت کے ہر دیسی یا غیر دیسی افسر بلکہ فوج، پولیس یا دفتر کے ہر ملازم سے بلا لحاظِ مذہب کیا
جائے۔ خلوصِ دل سے انکی خدمت کرکے اُنپر واضح کردیا جائے کہ اصلاح نفس کی حرکت میں سیاست سے
کچھ لگاؤ نہیں، اسمیں حکومت کے کسی قانون کی نافرمانی نہیں، جیلخانوں میں جانا نہیں، کھدر کا انتقام
کی غرض سے پہننا نہیں، بلکہ صرف نفس کو مارنا اور اللہ کی نوکری اختیار کرنا مقصود ہے، صرف مسلمانوں
کی ہولناک فرقہ بندیوں اور اُنکی آپس میں دردناک دشمنیوں کا اللہ کی عبادت کے نرم مگر موثر ہتیار سے
قلع قمع کرنا ہے، صرف اللہ کو دل میں لاکر بکھرے ہوئے دلوں کو پھر جوڑنا ہے، مغرور اور متکبر دلوں کو پھر رام
کرنا ہے، بحثوں اور لکچروں، جلسوں اور انجمنوں، رسالوں اور اخباروں، اشتہاروں اور مذہبی مناظروں سے
جو کام ہرگز نہ ہوسکا، بلکہ تفرقہ اُلٹا اور بڑھتا گیا، اُس کام کو ہم مٹی کی طرح عاجز اور خاکسار بن کر، مٹی کے رنگ
کا لباس پہن کر، اور مٹی کو کھودنے والا ہتیار زیب تن کرکے کم سے کم مدّت کے اندر درست کرنیکے دعویدار
ہیں۔ میرے نزدیک اگر اصلاح نفس کے سب عاملوں کو **"خاکسار"** کہا جائے اور لوگ اُنکو اسی نام سے
پکاریں تو موزوں ہوگا۔ اُنکو اپنی عاجزی اور خدمتِ خلق کا خیال ہر وقت رہیگا۔ خاکساری اور عاجزی
اُنکی طینت میں گُندھ جائے گی، وہ اپنی روز افزوں طاقت کے اندر خاکساری کا خمیر دیکھیں گے اور بڑی
سے بڑی کامیابی کے وقت بھی اُنکی گردنیں اِس لفظ کی گونج سے نیچی رہینگی۔ اللہ صاحب نے انسان کا خمیر
مٹی سے پیدا کرکے بلکہ اسکا انجام بھی مٹی میں ملکر مٹی ہوجانا کرکے فی الحقیقت یہ جتلا دیا ہے کہ کبریائی صرف
اُسی بے عیب اور یکتا ذات کو سجتی ہے۔ انسان اگر اس دنیا میں سرفراز اور بلند ہونا چاہتا ہے تو اُسکو
چاہیئے کہ صرف خاکساری اختیار کرے۔

ستترھواں باب

بیلچہ اصلاح نفس کی تحریک کا نہایت ضروری جزو اور مسلمانوں کا مذہبی نشان ہے

مصنف ۔ بیلچے کے نام کو سن کر آپ کی یا اور مسلمانوں کی بغاوت مجھے کچھ متعجب نہیں کرتی۔ مجھے اعتراف ہے کہ دس سال کی لگاتار سوچ بچار اور گرم خیالی کے بعد بالآخر جب مسلمانوں کی اصلاح کا یہ واحد نسخہ ہاتھ آیا اور یقین ہو گیا کہ یہی نسخہ فی الحقیقت بیمثال ہے اور اسی کے اندر تمام مشکلات کا حل ہے تو میں نے اصلاح اور ترقی کے اس عجیب و غریب ہتھیار کو بازار سے خریدا، پہلے دکان دار سے بہانے لیا کہ مالی کو ضرورت ہے، ایک دن تک اپنی بیوی سے چھپایا، دو روز تک اپنے بچوں کے دلچسپ اور تکلیف دہ سوالات کو ٹالتا رہا، دو دن تک مکان کے زنانہ صحن میں پھولوں کو بہتر بنانے کے بہانے سے شرم کے مارے استعمال کرتا رہا، لیکن چونکہ بیلچے کی حیرت انگیز کرامتوں اور اعجاز نما قوتوں کا قائل ہو چکا تھا اس کو اٹھانے کی شرم کو پانچ دن کے اندر اندر اتار دیا، اب حیران ہوں کہ اس شرم کی بھی کیا ضرورت تھی، ہر جگہ اپنے ساتھ رکھتا ہوں، لوگوں کو فخر سے دکھاتا ہوں، بلا توقف جب مسلمانوں کی بہتری کا دھیان اور دل میں جوش آتا ہے سرِ راہ زمین کھودتا ہوں، لوگ جمع ہو جاتے ہیں مگر ذرا بھر نہیں شرماتا۔ تو اِس نقطۂ نظر سے کہ میں بیلچہ سے نسبتًہ زیادہ مانوس ہو گیا ہوں ممکن ہے کہ اسکے متعلق مسلمانوں کے ابتدائی حس کا پورا اندازہ اب نہ لگا سکوں مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جب سے یہ غیر مردانہ شرم اتار پھینکی ہے حوصلے بلند ہیں، خون میں صاف حرکت رہی صحت نہایت بہتر ہے، ملازمت کی

کے لباس کو قبول کرے گا، خدا اور اسلام کو پیش نظر رکھکر خدمتِ خلق میں بھی شوق سے حصّہ لے گا،
ہندو اور انگریز کی مخلصانہ خدمت بھی شاید عبادتِ خدا کے خیال سے کرے گا لیکن بیلچہ کو اُٹھانا اُس کی
غلط عزتِ نفس اور غلط خود داری پر آخری اور کاری ضرب ہی جو جناب یکدم لگانا چاہتے ہیں۔ اس کو دیہات
کے مزدور لوگ شوق سے قبول کرلیں تو اور بات ہی مگر شہروں میں یہ حرکت نہایت تمسخر سے دیکھی جائیگی۔
گاندھی جی کے چرخے سے زیادہ اِس کا مضحکہ اسلیئے اُڑیگا کہ وہ ہر وقت پیش نظر ہوگا۔ وہ لوگ بڑے ہی جگیے
والے ہونگے جو تمام شرم اور مخول کو بالائے طاق رکھکر اسکو قبول کرینگے۔ ان دلائل کی بنا پر ممکن ہے
کہ جناب میری اِس نازیبا وکالت کو پیش نظر رکھ کر بیلچے کو اس تجویز سے بالکل حذف کردیں۔

چل کر رہے گی۔ جسقدر آسودہ حال لوگ اور قوم کے بڑے چودھری حوصلے سے اِس ہتیار کو اُٹھا لینگے
جسقدر اطمینان اور ولولے سے مسلمان بیلچہ اٹھانے کی شرم کو توڑ کر خاکساری کو لوگوں کے سامنے
مجسم کھڑا کر دینگے اُسیقدر یہ حرکت آگ کی طرح پھیلے گی تھیئیٹر کے تماشے کی طرح لوگ اِس میں
شامل ہونگے، عید کے میلوں کا مزا اسمیں ہوگا، خاکساری کے تماشے کو دیکھنے کے لیئے وہ رونق
لگے گی کہ تِل دھرنے کو جگہ باقی نہ رہے گی، صرف حوصلہ، استقلال، خاموشی اور خدا کا دھیان شرط
ہے۔میں نے بیلچہ کو سنسنی پیدا کرنے یا تماشہ پسند کرنے والے مسلمانوں کو تماشہ دکھلانے، یا
کانگریس کے چرخہ کے بالمقابل ایک نیا سیاسی ہتیار کھڑا کرنے کیلیئے ہرگز پیش نہیں کیا۔ بیلچہ ادھر چرخہ
سے زیادہ سنسنی پیدا کرنے والی ایک نہیں کئی تجویزیں ہوسکتی ہیں۔ بیلچہ میرے پیش نظر اُسوقت تھا جب
میں آج سے تئیس برس پہلے بیس برس کی عمر میں انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہا تھا اور چرخہ کی تحریک کا
نام ونشان بھی اُسوقت نہ تھا۔میں اُس وقت بھی دیکھ رہا تھا کہ انگلستان کی عظمت کی جان بیلچہ ہے۔ لوگ
کوئلے اور لوہے کو انگلستان کی بڑائی کا باعث کہتے تھے، تاریخوں میں لکھا دیکھا تھا کہ انگلستان کے وزیر
اعظم یا چانسلر کو پارلیمنٹ میں اب اُون کے بورے (وُول سیک) کی بجائے کوئلے کے بورے (کول
سیک) یا لوہے کے بورے (آئرن سیک) پر بیٹھنا چاہیئے مگر میں کہتا تھا کہ چانسلر کے ہاتھ میں صرف بیلچہ
ہونا چاہیئے، اسکو کھڑا رہنا چاہیئے، بیٹھنا ہرگز نہیں چاہیئے۔ بیلچہ اور بیلچے کو اُٹھانے والے نہ ہوتے تو کوئلہ
اور لوہا بلکہ بڑائی کے تمام باقی نشان کیونکر پیدا ہوتے۔ یورپ میں مائیں اپنے بچّوں کو ہمت اور محنت کا
پہلا سبق اِسی بیلچے کو پکڑا کر دیتی ہیں اور بیلچہ ہی درحقیقت وہ شئے ہے جس کو ہاتھ میں لیکر زمین پر قبضہ
کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔میں بیلچے کی شکل کو ریاضی کی کتابوں پر بناتا، اُسکے پھل کا رقبہ اور نوک کے

جانکاہ زندگی میں روٹی کی کم فکر ہے، بے نیازی کا وہ کیف ہے کہ کبھی اِسقدر تنومند نہ ہوا تھا، مسلمانوں کی اصلاح پر کامل یقین ہے۔ اب قوت اتحاد اور اخوت کی پری کو ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے بیلچے کے اندر زمین کو تہ و بالا کردینے کی حکمت صاف نظر آرہی ہے، مجھے یقین ہے کہ مشکلات کے پہاڑ اسکے آگے پانی کی طرح بہ جائینگے، دلوں میں وہ اُٹھان اور حوصلوں میں وہ اُبھار پیدا ہوگا کہ سب زندہ ہوکر رہیں گے۔ مجھے اِسکی نوک سے جو اندر گھُس کر زمین کی کایا پلٹ کردیتی ہے پیار ہے، اسکے کتابی پھل سے عشق ہے۔ ایک دن جوش محبت میں آفریدیوں کی اپنی بندوق سے محبت کے اظہار کی تقلید کرکے اُسکے دستے پر ریشمی رومال باندھ دیا تھا، پھر خیال آیا کہ جہالت بلکہ بت پرستی ہے، بیلچہ اپنے جگر کو مضبوط کرنے کیلئے ہے، ارادوں کو قوی اور استقلال کو دس گنا کرنے کے لیئے ہے، کبریائی کے بت کو توڑنے اور خاکساری سیکھنے کے لیئے ہے، ایسے بڑے بُت شکن کو بُت بنا دینا ٹھیک نہیں۔ آپنے کہا ہے کہ مسلمان کا خمیر اکڑ سے ہے۔ ایک نقطۂ نظر سے یہ درست ہے یہی اکڑ تمام فساد کی جڑ ہے، اسی نے مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے۔ یہ خودداری نہیں، خودی اور خودپسندی ہے۔ اس اکڑ کو توڑنا بیلچے اور صرف بیلچے کا کام ہے، مٹی کا کام کرکے مٹی بن جانے سے ہی یہ شیطانی آگ بجھ سکتی ہے۔ میرے ذہن میں اگر اس سے بھی زیادہ انکساری پیدا کرنے والا مگر شریف اور مردانہ ہتیار ہوتا تو میں اسکو بلا تامل اختیار کرنے کیلئے کہتا لیکن اسوقت صرف یہی ہے۔ اسکو اس تحریک سے حذف کردیا جائے تو گویا حرکت کی روح کو ہم نے کچل دیا، اس کی پوری جان شروع میں لے لی، اسکو قطعاً غیر دلچسپ اور بے تواں کردیا، اسکی باطنی تربیت اور طاقت اصلاح، بلکہ استعداد نظم و نسق کو نظر انداز کردیا، اُس عصا اور اُس لکڑی کو کھو دیا جسکے سہارے یہ تمام حرکت

اخبارات کی پیشانیوں پر روزانہ مرثیئے لکھتے رہیں، ایک ایک مرثیئے سے ایک ایک ہزار مسلمانوں کی ہمتیں روزانہ توڑیں لیکن قوم کے اندر پوری جان موجود ہی بلکہ اور قومیں زندگی اور طاقت عمل کے لحاظ سے ان کا پاسنگ بھی نہیں۔ اگر کچھ بگڑا ہے تو صرف مذہب اور عمل کا تخیل اُن لوگوں میں بگڑا ہے جو مسلمانوں کے سرار ہیں۔ صرف اوپر کی سطح خراب ہوئی ہے اندر سے سب کچھ درست ہی۔ "تذکرہ" کے لکھنے کی بنا یہ تھی کہ مشکل سے مشکل اُردو اور عربی میں اسلیئے لکھا کہ صرف ہوشمند اور صاحب نظر پڑھ کر حقیقت کو دیکھ سکیں، جاہل کی اسکو نظر نہ لگے، دلیل اسقدر روشن اور ناقابل ردّ ہو کہ ہر معقول شخص اسکو قبول کرلے۔ الغرض مجھے یقین ہے کہ ایسی قوم بیلچہ اُٹھانے میں کبھی عار نہ کرے گی۔ ان میں سے ایک بہت تعداد روزانہ بیلچہ اُٹھا رہی ہی یا اور قطع کی محنت اور مزدوری سے پیٹ پال رہی ہے۔ سیدھی قطاروں میں کھڑا ہو کر ایک مقرّرہ وقت پر بیلچہ اٹھانا ایسی قوم کے لیئے خون میں ایک نئی حرکت ہی، زندگی اور قوت کا نیا سامان ہی منظم ہونے کا آسان اور پُراثر طریقہ ہے۔ میرا یقین ہے کہ شرم کرنے والے شہری مسلمان بھی جنکی ہمتوں حوصلوں اور اخلاق کی بیخ و بنیاد انگریزی تعلیم نے قطعًا اُکھیڑ دی ہے اور جن کو اس تعلیم کے نقصان دہ نتیجوں کا کافی تجربہ ہو چکا ہے۔ اِس حرکت میں نہایت شوق سے شامل ہو جائینگے۔ آگے چلکر میں بتاؤں گا کہ اس تحریک میں مرکز کے سالاروں کے تین آنہ سے آٹھ آنہ روزانہ مزدوری کے ماسوا عام عاملوں کے لیئے جو مختلف شہروں، قصبوں اور دیہات میں ہونگے معقول کمائی روزانہ حاصل کرنے کا کس قدر سامان موجود ہوگا، وہ لوگ جو اس حرکت میں شامل ہونگے اور پیشہ ور لوگوں کے بالمقابل کسقدر آسانی سے اپنی مزدوریاں پیدا کرسکیں گے اور پیٹ کے فکر سے خلاصی پانا بھی اس تحریک کا اہم جز ہوگا۔ لیکن ان سب باتوں سے قطع نظر شہری مسلمان بھی فطرتًا اور عادتًا شرم کرنے والے پیدا نہیں ہوئے وہ موقع پر سب کچھ

زاویوں کو مختلف کر کے دیکھتا کہ کس شکل کا بیلچہ مفید ہے، زمین میں گڑے ہوئے بیلچے کی شکل کھینچکر اور زمین کی صلابت اور سختی کو پیش نظر رکھکر حساب لگاتا کہ اس عجیب و غریب بیرم (لیور) میں زمین کو توڑنے کے لیئے ہاتھ کی کس قدر قوت بکار ہے، ہاتھ کی قوت سے دن بھر کی انسانی قوت کا اندازہ لگاتا، زمین کے سطحی رقبہ پر مزدوروں کو دو دو گز کے فاصلے پر کھڑا کر کے حساب لگاتا کہ تمام زمین کو تین تین فٹ تک کھودنے کے لیئے کتنے آدمی درکار ہونگے۔ یونانی حکیم فیثاغورس نے کھڑا ہونے کی جگہ مانگی تھی اور دعوے کیا تھا کہ اگر جگہ ملجائے تو بیرم یعنی لیور وہ زبردست اوزار ہے کہ میں اس سے تمام دنیا کو دھکیل دونگا۔ میں کہتا تھا کہ یونانی حکیم نے وہ شرط پیش کی جو ممکن نہ تھی، نہ زمین سے باہر جگہ مل سکتی ہے نہ اسکا بیرم چل سکتا ہے۔ مجھے کھڑا ہونے کی جگہ درکار نہیں، صرف ریاضی کے حساب سے اگر زمین کی تمام آبادی کے ہاتھ بیلچہ دے دیا جائے تو چار سو برس کے اندر اندر ایک ایک میل کی گہرائی تک زمین کے سب خزانے باہر آسکتے ہیں، روئے زمین کی کایا اس طرح پر پلٹی جا سکتی ہے کہ اسکو پہچاننے والا ہی کوئی نہ رہے اور ہر مزدور کے پاس سالانہ بارہ لاکھ روپیہ یعنی ایک لاکھ روپیہ کی مستقل آمدنی ماہوار ہو بلکہ اللہ میاں کو چار سو برس کے بعد تمام انسانی مخلوق کو کسی اور ستارے میں بسانا پڑے۔ میں اُس وقت رنگلر کا امتحان پاس کر چکا تھا اس لیئے کسی ہم جماعت یا دوسرے شخص کو میری حسابی تحقیق کے بالمقابل دم مارنے کی مجال نہ تھی، وہ اس تخیل کو سن کر کہتے کہ تمہارا بیلچہ بہشت کی تصویر ہے! آزادی کی ہوا میں جو انگلستان میں تھی یہ جنون تھا لیکن ملازمت کی غلامی میں یہ سب خیالات کافور ہوگئے اور بیلچہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ بڑی مدت اور کاوش کے بعد کوئی دس برس ہوئے اس حقیقت کا طلوع ہوا کہ ہندوستان میں بیلچہ اٹھانے والے زیادہ تر مسلمان ہیں اور اسی کے اندر انکی زندگی کا راز پوشیدہ ہے۔ شاعر لوگ مسلمانوں کو لاکھ مردہ کہیں،

سرورِ عالمؐ خود موقع پر پہنچے۔ ایک بڑے بھاری بیلچہ کو ہاتھ میں لیا اور اِس زور سے پتھر پر مارا کہ دو انگلی کے برابر ٹکڑا الگ ہو گیا۔ اِس ضرب سے شرارہ پیدا ہوا اور ان شراروں کی روشنی میں حضرتؐ نے فرمایا کہ میری اُمت کو روم کی سلطنت کی کنجیاں مل گئیں۔ دوسری ضرب پر پتھر اور ٹوٹا اور شرارہ کی چمک میں فرمایا کہ ایران کی سلطنت اور کسرے کے محلات میری اُمت کے قبضے میں آگئے۔ تیسری ضرب پر پتھر دو ٹکڑے ہو گیا اور فرمایا کہ مجھے یمن دکھلایا گیا اور وہ فتح ہو جائے گا۔ روم، ایران اور یمن پر قبضہ اُس وقت فی الحقیقت دُنیا کے بڑے سے بڑے حصے پر قبضہ تھا۔ یہ سب ملک بالآخر مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور یقیناً اسی بیلچہ کی ضرب اور محنت سے ہاتھ آئے۔ محمدؒ فاتح کا قسطنطنیہ کی فتح کے موقع پر جہازوں کو خشکی پر چلا کر کئی میل پرے سمندر میں ڈالنے کا واقعہ مشہور تاریخی واقعہ ہے اور یقیناً بیلچے نے اِس حیرت انگیز مہم میں سب سے بڑا کام کیا ہوگا۔ الغرض بیلچے کو اُٹھانے کی سند مسلمان کے پاس پیغمبر خداؐ کی طرف سے ہے، اِسمیں فتح و ظفر کے موجود ہونے کی شہادت ہادیٔ اسلامؐ کی طرف سے ہے۔ اِس کا تقدس اِسقدر بس ہے کہ دُنیا کے بڑے سے بڑے اولوالعزم پیغمبرؐ نے بیلچے کو مسلمانوں کی نہایت کمزوری اور دشمن کی انتہائی قوت کے وقت خود استعمال کیا اور نہ صرف اُس خاص موقع پر دشمن پر غالب آکر دکھایا بلکہ اسکو زمین پر مار کر مسلمانوں کی آیندہ عالمگیر بادشاہت کا راز کھول دیا۔ بیلچے کی حمایت اور اسکی قدر و قیمت کے متعلق اِس سے بڑی اور یقین دلانے والی دلیل میرے پاس نہیں اور یہی وجہ ہے کہ میں بیلچے کو اِس حرکت کی جان بلکہ مسلمانوں کا متروک مذہبی اور قومی نشان یقین کرتا ہوں۔ اِس وقت سیاسی حالات کو پیش نظر رکھکر ہندوستان میں سب سے بڑا سوال ہندؤوں اور مسلمانوں کے آپس کے تعلقات کا ہے۔ اِس مضمون کے سمجھنے کے لیئے بحث کا ایک بڑا دفتر چاہیئے لیکن مختصر یہ کہ انگریزوں نے اِس خیال سے

کر گذرتے ہیں اور اسی کر گذرنے کے باعث ہنسی مخول تو درکنار کسی مقابل قوت کی پروا نہیں کرتے۔ ابھی
چند برس کا واقعہ ہے کہ ایک مسجد کی زمین پر جو شہر میں تھی زور سے قبضہ کرنا تھا۔ سب نے بلالحاظ مرتبہ ٹوکریاں
اور بیلچے اُٹھا لیئے۔ راتوں رات دو منزلہ مسجد تیار کر دی اور اگلے دن کی نمازیں اُسمیں پڑھیں لیکن مسلمان کیلئے
بیلچے کو نہ صرف عزیز بلکہ جان سے زیادہ عزیز رکھنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انسانی بہتری کے اس بہترین
ہتیار کو دنیا کے سب سے بڑے اور آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام نے خود استعمال کیا، اپنے ہاتھ میں پکڑ کر
محنت اور مزدوری کو ہمیشہ کے لیئے اسلام میں داخل کر دیا۔ غزوۂ خندق کے موقع پر دس ہزار مسلح دشمن کے
حملے کی خبر تھی۔ مسلمان لڑنے والے صرف ڈھائی ہزار تھے۔ مسلمانوں کی قلت تعداد بلکہ بعد میں مدینہ
کے حلیفوں کی بدعہدیوں کے باعث خوف و ہراس ہر طرف طاری ہونا چاہیئے تھا مگر مسلمان مستعد تھے،
اُن کا سردار اور بھی مستعد تھا اور چہرے پر مایوسی اور ملال کا نشان تک نہ تھا۔ تجویز یہ تھی کہ شہر کے غیر
محفوظ حصوں کے سامنے ایک گہری خندق کھود دی جائے۔ کئی دنوں میں یہ خندق تین ہزار صحابہ کرامؓ
کی دن رات محنت سے تیار ہوئی۔ اس خندق کو کھودنے اور اندر سے ٹوکری بھر بھر کر مٹی لیجانے میں حضور
علیہ الصلوٰۃ و السلام برابر شریک رہے، کبھی بیلچے سے زمین کو کھودتے، کبھی ٹوکری بھر کر اُٹھالے جاتے۔
تیاری اور حوصلوں کا یہ عالم تھا کہ دشمن کی کثرت کی پروا تک نہ تھی۔ مسلمان خدا کی دوستی کی خواہش اور
موت کی تمنا میں خندق کھودتے اور کافی ہتیار نہ ہونے کے باعث دشمن پر پھینکنے کے لیئے
پتھروں کے ڈھیر اسکی بغل میں جمع کرتے۔ کھودتے کھودتے ایک بڑا پتھر جو ایک چھوٹی سی پہاڑی
کی مانند تھا ظاہر ہوا۔ صحابہ کرامؓ نے جس میں غالباً حیدر کرارؓ اور حضرت عمرؓ جیسے بہادر بھی شامل
تھے اس پتھر کو توڑنے کی بیحد کوشش کی۔ کوشش کے بعد صحابہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔

کی بہتری کی خاطر تھی، رعیت کو شکایت کا کبھی موقع نہ ملا۔ سنہ ستاون کے فوجی غدر اور آجکل کے عام غدر کی طرح ایک حرکت اُس ہزار برس میں ہرگز پیدا نہ ہوئی مسلمانوں کا کامل اعتبار ہندوؤں پر رہا اور ہندوؤں نے مسلمانوں سے وُہ وفا کی کہ اب تک اس محبت کے نشان صحیح تاریخوں میں باقی ہیں۔ البتہ ایک مدرس نے ۱۸۶۷ء کے قریب یعنی غدر کے دس سال بعد ایک تاریخ ہند لکھی تھی۔ میں اسکی دور بینی اور عاقبت اندیشی پر آجتک دنگ ہوں۔ دیباچہ میں لکھا تھا کہ انگریز ہندوؤں اور مسلمانوں کو علیحدہ رکھنے، انکی مدت کی دوستی کو دشمنی میں بدلنے اور انکو آپس میں لڑوانے کی نیت سے ہر جگہ ایسے کام کر رہے ہیں جو صحیح سیاست کے منافی ہیں۔ میں نے اس تاریخ میں مسلمانوں کے عہد کے سچے حالات پیش کئے ہیں اور اُس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے جو غلط تاریخوں اور مدرسوں میں جھوٹ کے پڑھائے جانے کے باعث ان دونوں قوموں میں روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اسنے دیباچہ میں لکھا تھا کہ رعیت کو آپس میں لڑوا کر حکومت کرنے کی سیاست کسی طرح درست نہیں اور میرا یقین ہے کہ اسکا نتیجہ کسی دن ضرور یہ ہوگا کہ مسلمان اور ہندو دونوں حکومت کے سخت دشمن بنجائینگے، جس الجھن میں حکومت اُس وقت پھنسے گی ایسی ہوگی کہ اُس سے نکلنا سخت دشوار ہو جائے گا۔ مجھے حیرت ہے کہ آج چونسٹھ برس کے بعد اسکی پیش گوئی کسقدر درست ہے، وہ شخص کسقدر دور بین تھا اور حکومت کو کیا مفید مشورہ دے گیا۔ بہرنوع مقصود یہ ہے کہ آج ہندوؤں اور مسلمانوں کی آپسمیں خوفناک الجھن جو غالبًا کانگریس کی روز افزوں طاقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی ہے ہندوستان کی سیاست کا سب سے اہم اور خطرناک مسئلہ ہے اور ہیلچے کی حرکت اور خدمت خلق کی تحریک کے اندر اسکا پورا حل موجود ہے۔ مسلمان جب ہندوؤں کی خدمت کیلئے خود آگے بڑھیں گے تو ہندوؤں کے دلوں میں انکی محبت کا پیدا ہونا اٹل ہے۔ چرخہ نے ہندو مسلم سوال کو ہرگز حل نہیں کیا بلکہ چرخے کے اندر اس سوال کے

کہ ہندو اور مسلمان آپس میں لڑتے رہیں گے تو ہمارے لیئے حکومت کرنا آسان ہو جائیگا اس مخالفت کو نیست سے ہست کیا، خاموش مگر نہایت مکّارانہ تبلیغ و اشاعت سے جو مدرسوں میں پڑھائی ہوئی تاریخوں میں ہوتی تھی نوعمر بچّوں کے دلوں میں یہ ڈالا کہ مسلمان بُرے تھے، اُنہوں نے بادشاہت کے زمانے میں ہندوؤں کو بُری طرح روندا، اُنکی چوٹیاں (بودیاں) کاٹ دیں، اُنکے جنیئو توڑ ڈالے، اُن پر مذہبی تشدد کے باعث کھانا پینا حرام کر دیا۔ مسلمانوں کی حکومت میں امن کبھی نہ تھا، آسائش اور تہذیب قطعاً نہ تھی، نہریں اور سڑکیں نہ تھیں، مدرسے اور پُل نہ تھے، الغرض وحشیوں کی مفسدانہ حکومت تھی جو ایک لمحہ رہنے کے قابل نہ تھی۔ قدرت کو صرف انگریزوں کا انتظار تھا اسلیئے آٹھ سَو برس سے زیادہ تک رہی۔ اِس جھوٹ کی اصلیت اب ہندوؤں پر ظاہر ہو رہی ہے وہ سمجھ گئے ہیں کہ چوٹیاں کاٹنے والے اور جنیئو توڑنے والے دراصل یہی انگریز ہیں جنھوں نے اپنی دُکان کو چلانے کیلئے پچاس برس کے اندر اندر مذہب کی بیخ و بنیاد اُکھیڑ دی۔ مسلمانوں نے آٹھ سو برس کے بعد بھی ہماری چوٹیاں، ہمارے جنیئو اور ہماری دھوتیاں امانت کے طور پر سلامت رکھکر ہمارے سپرد کر دیں، آج انگریزوں کی بندہ پروری اور ہمارے گھروں میں مصالحانہ دخل کا یہ عالم ہے کہ ہم خود اپنی چوٹیاں اور جنیئو اپنے ہاتھ سے کاٹ رہے ہیں۔ انگریزوں نے ہندوستان میں دراصل حکومت کبھی نہیں کی وہ صرف تجارت کرتے رہے۔ بادشاہت صرف مسلمانوں نے کی اور یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کے عہد میں صرف رعیّت کی بہتری مدّنظر رہی۔ سَو سَو اَسّو برس کی کل حکومت کے بعد ہندوؤں کی انگریزوں سے عام نفرت اور کانگریس کا اُنکے خلاف عام پروپاگنڈا اِس امر کا روشن ثبوت ہے کہ مسلمانوں نے جو حکومت کی قطعاً بے مثال تھی، اسمیں رعیّت کی صحیح پرورش تھی، اسمیں صرف جسموں پر نہیں دلوں پر حکومت تھی، کمال امن اور بے فکری تھی، ہر شئے سستی تھی، حکومت صرف رعیّت

شخص کی شدّت یقین اور صدق اعتقاد کے بل پر قائم ہے ورنہ صحیح معنوں میں چرخہ کے شیدائی کانگریس کے بلند ترین حلقوں میں بھی موجود نہیں۔ یہ وجوہ ہیں جنکے باعث میں چرخہ میں آزادی حاصل کرنے کی اہلیت قطعاً نہیں دیکھتا اور ایک بکیس اور نہتّی قوم کا انتقام کے ہتیار سے اور اپنے گھر میں نفاق ڈالکر آزادی لے لینا میرے نزدیک قطعاً ناممکن ہی، بلکہ حرکت اور عمل کا نشان ہے، اسمیں انتقام کا جذبہ موجود نہیں، اسکے اندر ہر قوم کی بہتری کا راز ہی۔ یہ مسلمانوں کو کھلی تنبیہ ہے کہ اُن میں عمل باقی نہیں رہا، یہ اُمّت کو یاد دہانی ہے کہ اُنکی تمام طاقت کا راز محنت اور مزدوری پر ہے، یہ نبیؐ کی سنّت ہی کہ تین دفعہ مار کر عالمگیر بادشاہت کی تاکید کردی، اِسمیں حکومت سے چھیڑ کا عنصر نہیں، ترک موالات کا عنصر نہیں، کسی قانون کی نافرمانی نہیں، کوئی جیلخانے نہیں۔ یہ ایک خالص مردانہ ہتیار ہے، صرف مرد اور مردانہ اخلاق والی قوم اِسکو اُٹھانے کی خواہش کرے گی، اسمیں ہر قوم کی طرف محبت سے پیش قدمی ہی، برسوں کے رُوٹھے اور بگڑے ہوؤں کو خدمت اور خُلق سے منانا ہے، آپ مطیع ہوکر دوسروں کو مطیع کرنا ہی، اسمیں نفس کا ڈسپلن ہے، ظاہر کا نظم و نسق ہے، باطن کی تنظیم ہی، خدا اور مذہب کا خُذُ وٓا حِذْرَکُمْ کی ربانی حکمت ہی، روزی پیدا کرنے کا عمدہ طریقہ بھی ہے۔ الغرض اسمیں خدمتِ خلق ہی عبادتِ خدا ہے، سنّتِ رسولؐ ہی، قوت اور بادشاہت کا راز ہے۔ اِس حرکت میں روپیہ کا لین دین نہیں چندوں سے واسطہ نہیں، پلاؤ کھلانے اور چائے پلانے سے کام نہیں۔ ہر شخص اپنے بوجھ اور خرچ کا خود حامل ہی۔ جو لوگ اِس حرکت میں کام کرینگے اُن کی اُجرت خدا کے پاس ہی، اُن کی شان لَآ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ کی شان ہے۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ کی شان ہے، وہ بادشاہ زمین و آسمان کے نوکر ہیں، اتنے بڑے بادشاہ کا نوکر ضرور ہے کہ روپیہ پیسہ کی حرص سے بے نیاز ہو۔ قومیں جب جب زندہ ہوئی ہیں اُنہی

حل کرنے کی اہلیت ہی نہیں۔ چرخہ صرف اس بات کے احساس کا نشان ہے کہ انگریزوں کی یک طرفہ تجارت نے ہندوستان کی مالی اور اقتصادی حالت کو سخت نقصان پہنچایا، اُنھوں نے تمام دولت کا رُخ اپنے ملک کی طرف پھیر کر محکوم ملک کو کنگال کر دیا۔ یہ درست ہے کہ اگر ہندو سرمایہ دار ولایتی مال نہ خریدتے تو ہندوستان ہرگز مفلس نہ ہوتا، اس جرم کے پہلے مجرم صرف ہندو ہی ہیں، لیکن اب جو کچھ چرخہ سے ہو رہا ہے اُسی جرم کی تلافی ہے۔ پس چرخہ کے چلانے میں لامحالہ انتقام کا جذبہ ہے، اسکی حرکت میں حکومت سے نفرت کا اظہار ہے، اسمیں مذہب اور خدا کا تخیل ہرگز نہیں۔ یہ ایک بیکس مگر سرمایہ دار اور تاجر قوم کی دوسری تاجر اور سرمایہ دار قوم کے خلاف اقتصادی توپ ہے، جارحانہ اور معاندانہ ہتھیار ہے، جیلخانوں، سول نافرمانیوں اور پکٹنگ کی انتقام لینے والی تدبیروں کا پیش خیمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چرخہ کی تحریک سے حکومت کے ایک کارندے نے اپنی تنخواہ اور ملازمت نہیں چھوڑی، خطاب والوں نے اپنے خطابوں کو خیرباد نہیں کہا، وکیلوں نے وکالت ترک نہیں کی، عدالتیں جو قومی اخلاق کی بیخ و بنیاد اُکھیڑ رہی ہیں اُسی طرح پُر رونق ہیں، سکول اور کالج برابر چلتے رہے، پولیس پر ذرا بھر اثر نہیں ہوا، فوج کا ایک سپاہی نہیں بگڑا۔ الغرض اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو ڈیڑھ برس کی حیرت انگیز حرکت اور اضطراب کے باوجود حکومت کی مشین کا صحیح معنوں میں کوئی پرزہ خراب نہیں ہوا، چرخہ سے حکومت کا چرخہ کچھ ڈھیلا نہ ہو سکا۔ چرخہ کو سرگرمی سے چلانے والے اور بطور نتیجہ کھدر کو پہننے والے لوگ بھی عام طور پر پیدا نہ ہو سکے کہ چرخہ ایک زنانہ ہتیار تھا، عورتیں ہی اُسکو ہمیشہ سے چلاتی رہیں اسلیئے مردوں نے اسکو قبول کرنے میں عار کیا۔ اسی وجہ سے یہ گھروں میں چھپے رہنے اور بوجھل اور بدنما ہونیکے باعث عام قومی نشان نہ بن سکا۔ چرخہ کی حرکت صرف ایک

اب اس مقدس نشان کے متعلق پوری تفصیل درکار ہی کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یک رنگ اور یک وضع بیلچے کا
تمام ہندوستان کے خاکساروں کے ہاتھ میں ہونا نہایت ضروری ہی۔ یہ طے ہو گیا تو گذارش ہی کہ اس تحریک کی
باقی خصوصیات کے متعلق اشارے کر دیں تاکہ ہم جنابِ عالی کی اس نتیجہ خیز صحبت کے بعد سرخرو ہو کر رخصت
ہوں اور جناب کا یہ پیغام ہندوستان کے ہر گوشے میں پہنچا دیں۔ ڈاکٹر صاحب کو جناب نے ملاحظہ کیا ہوگا
کہ جب سے ہم آئے ہیں میز پر الگ بیٹھے لکھ رہے ہیں۔ وہ اُردو مختصر نویسی میں ماہر ہیں اور یقین ہی کہ اس صحبت کا ایک
ایک حرف اُنہوں نے لکھ لیا ہوگا۔ ہمارا خیال تھا کہ تذکرہ کی دوسری جلد کی اشاعت کے متعلق جناب کے
خیالات کو قلمبند کر کے قوم تک پہنچائیں کہ اطمینان کی ایک صورت پیدا ہو۔ مگر یہ صورت جو اب پیدا ہو گئی ہی اس
اطمینان سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ جناب کا احسان ہی کہ اس توجہ سے میرے سوالات کا جواب دیا اور ہزار در ہزار
احسان ہے کہ بظاہر لاعلاج مرض کا وہ قطعی اور آخری علاج تجویز کیا جو کسی کو ہرگز ہرگز نہ سوجھا تھا۔

مصنف۔ جناب کے محبت آمیز الفاظ کے لئے سپاس گذار ہوں اور اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا
ہوں کہ کسی تحسین و آفرین کا اہل نہیں ہوں۔ ایک مدت مدید سے اس تجویز کی پخت و پز کر رہا تھا اور ابھی ابھی کامل غور
و خوض کے بعد اسکی تکمیل ہوئی اسلیئے ظاہر کرنے میں عذر نہ تھا۔ اب ارادہ ہی کہ جس شئے کے صحیح ہونے میں کامل یقین
ہو چکا ہے اُسپر کم سے کم مدت کے اندر اس شرط پر عمل شروع کر دوں کہ مرکز کے کام کو شروع کرنے کیلیئے ہندوستان
کے مختلف حصوں سے ایسے مناسب عامل پیدا ہو جائیں جو اس لائحہ عمل کو حرف بحرف پورا کر سکیں۔ افراد میں درد
اسقدر اور دوا کی طلب بھی اسقدر ہی کہ سچے عاملوں کا جلد از جلد پیدا ہو جانا کچھ بڑی بات نہیں۔ اس حرکت کو
صحیح طور پر چلانے کیلیئے بہت سی زبانی تبلیغ بلکہ عملی طور پر اسکو چلتا ہوا دیکھنے کی ضرورت ہی۔ اس امر کی شدید ضرورت
ہی کہ ہر جگہ کے مختلف عامل ایک ہی طریقہ پر اور ایک ہی رنگ میں اس حرکت کو شروع کریں، سب عاملوں کا ایک جگہ

بے اجر خدا کے مزدوروں سے زندہ ہوئی ہیں، کرائے کے نوکروں سے ہرگز نہیں ہوئیں۔ روپیہ کی ضرورت اُسوقت ہوگی جب قوم متحد ہو جائے گی، جب اسکا نظم و نسق درست ہوگا، منتہا اور طرز عمل ایک ہوگا۔ نظم و نسق کی درستی کیلئے صرف خدا کے دلوں میں آنے کی ضرورت ہے، لاکھوں اور کروڑوں روپیہ کی ضرورت ہرگز نہیں۔ ممکن ہے کہ بعض جزوی ضروریات کیلئے جو اس وقت سامنے نہیں اور جو قوم کے افراد پر تقسیم نہ کیجا سکیں روپیہ کی ضرورت بعد میں ہو مگر وہ ضرورتیں مقامی اور رسمی ہیں، اُنکے متحمل بھی اسی جگہ کے لوگ ہو سکتے ہیں جہاں ضرورتیں واقع ہوں لیکن روپیہ کو پیش نظر رکھکر اس حرکت کو شروع کرنا قطعًا درست نہیں، نہ خدا کے کام کبھی کرایہ پر چل سکتے ہیں۔ اسلامی فقہ کا مشہور مسئلہ ہے کہ درہم کے برابر چھینٹ پڑی ہو تو کپڑا ناپاک ہے۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ جس مقدس حرکت کا حصر روپیہ کے لین دین پر ہو وہ حرکت بھی پلید ہے اور اسکا کسی قوم میں پنپنا قطعًا دشوار ہے۔

اٹھارواں باب

خاکساروں کا بقیہ دستور العمل اور حرکت کا اعلان

ہمدرد۔ جناب والا! بیلچہ کی عظیم الشان حکمت کا میں پورے طور پر قائل ہو گیا ہوں بلا عذر تسلیم خم کرتا ہوں بلکہ شکرگذار ہوں کہ جناب نے بیلچہ کے ساتھ اس قدر دلی محبت اور مذہبی عقیدت یکدم پیدا کر دی۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ بیلچے کو اٹھانے کی حکمت کے اندر قوم کی اصلاح کی یہ عظیم الشان استعداد موجود ہے۔ گستاخی کی دست بستہ معافی مانگتا ہوں لیکن اگر اعتراض کرنے کی گستاخی نہ کرتا تو یہ حیرت انگیز راز کبھی نہ کھلتے۔ بنی اسرائیل کو بقرہ ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا تو قوم نے تفصیل مانگی تھی۔ مجھے بھی

خریدے جائیں۔ یہ بیلچہ نوک سے سرے تلک تین فٹ ہی، نہایت مضبوط ہی، اسکے پھل کی لمبائی نوک تک ساڑھے دس انچ اور چوڑائی دس انچ ہے لیکن ساڑھے سات انچ چوڑے اور نو انچ لمبے پھل والے بیلچے زیادہ خوبصورت اور ہلکے ہیں اور جہاں ملجائیں اچھے رہیں گے۔ جھنڈے کے نشان والا امریکن خاکی رنگ تینوں کپڑوں کے رنگنے کے لیئے صرف نصف تولہ یعنی ڈیڑھ پیسہ کا کافی ہے اور اگر صرف کرتہ اور پائجامہ رنگا جائے تو ایک پیسہ کا رنگ بس ہے۔ سالار کو چاہیئے کہ رنگ کا نمونہ اور مفصل ہدایتیں مرکز سے ساتھ لائے، پانی کی مقدار اور رنگنے کی ترکیب ہر خاکسار کے ذہن نشین کرائے تاکہ سب کپڑوں کا رنگ یکساں ہو اور رنگ کے پھیلاؤ میں بھی یکسانی ہو۔ رنگ کی یکسانی نہایت ضروری ہے بلکہ یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ رنگ حتی الوسع فوجی سپاہیوں کی وردیوں کا سا ہو، اور اسکی بہترین تجویز یہ ہے کہ سالار سب کپڑوں کے رنگنے کا انتظام یکجا کریں، برابر مقدار میں رنگ ڈالیں اور برابر کا پانی ہو۔ خاکساروں کی عمر اٹھارہ برس سے کم اور ساٹھ برس سے زیادہ نہ ہونی چاہیئے طالب علم خواہ وہ اٹھارہ ۱۸ برس سے زیادہ ہوں خاکساروں کی تحریک میں شامل نہ ہونے چاہئیں۔ اٹھارہ برس سے کم عمر کے مزدور پیشہ بچوں کے لیئے عال اپنے حلقہ میں علیحدہ جماعت بنائے، اُن کا الگ سردار مقرر اور اُن کے سردار کی عمر پچیس ۲۵ برس سے کم نہ ہو۔ ہندو، سکھ، پارسی، عیسائی خاکساروں کی جماعت میں بھرتی ہونا چاہیں تو اس شرط پر کہ پرماتما یعنی خدا کے ایک ہونے کا عام مجمع میں اقرار کریں، خدمت خلق کو پرماتما کی سیوا یقین کریں، پرلو یعنی روز آخرت پر کامل یقین کا اقرار عام مجمع میں ہو، اسلامی رسالت کا اقرار اُن سے نہ لیا جائے۔ اور سب سے اہم یہ کہ اوّل سے آخر تک خاکساروں کے تمام پروگرام میں شامل ہونے کا اقرار ہو۔ سالار اپنے دفتروں کا حساب کتاب خود رکھیں۔ دفتر کا خرچ نہایت معمولی ہو، آٹھ گھنٹے مزدوری

* نصف تولہ رنگ میں چار سیر پانی اور نصف تولہ سوڈا تین کپڑوں کے لیئے کافی ہے۔

نہ صرف آپس میں تبادلۂ خیالات ہوتا ہے بلکہ سب کے سب آخر تک متحد اور بےغرض رہیں کسی کو رہنما بننے کی حرص نہ ہو
سب ہم مرتبہ سپاہی اور مجاہد بنے رہیں، قوم کی سرداری کا بالآخر وہی مستحق ہو جس کا اثر اسکی اپنی قوتِ عمل اور زور بازو
کے باعث عام ہو جائے اور جس کو قوم یک آواز ہو کر مانے۔ مرکزی دارالاقامتہ کے پروگرام کے متعلق تفصیل کر دی
تھی اس پر اضافہ یہ ہے کہ مرکز میں بیک وقت پچاس سے زیادہ سالار نہ رہنے پائیں، سالاروں کی تعداد زیادہ ہو
تو داخلہ کی گنجائش ہونے تک انتظار ضروری ہو۔ سالارِ عامل کو تعلیم کی تکمیل کے بعد اپنے اپنے شہر یا گاؤں یا قصبے
میں کام کرنا ہو گا لیکن خاص وجوہات ہوں تو جہاں چاہیں کام کر سکتے ہیں بشرطیکہ اس نئے مقام میں مستقل طور پر
رہنے کا اقرار ہو۔ مرکز میں تعلیم حاصل کرنیکے بعد سالار کا پروگرام یہ ہو۔ سالارِ عامل اپنے علاقہ میں جا کر دس روز کے
اندر اندر اصلاحِ نفس کا اعلان ڈھنڈورے سے کرے۔ تمام جزوی اخراجات کا جو اس تحریک سے متعلق ہوں
خود متحمل ہو۔ اپنے گھر یا مناسب مسجد یا مکتب میں خاکساروں کی بھرتی کا دفتر کھولے۔ بھرتی کے لیئے ایک گھنٹہ
روزانہ مقرر کرے اور اُس وقت اپنی جگہ پر پابندی سے حاضر ہو۔ بیلچوں کو نہایت کم قیمت پر خریدنے کا انتظام
کرے۔ خاکی رنگ ایک قسم کا فراہم کرے۔ چند دن کے اندر اندر ہر خاکسار کو خاکی کپڑوں اور بیلچہ سے مسلح ہو کر
قواعد میں شامل ہو جانا لازمی ہے بیلچہ اور رنگ کی قیمت خاکسار خود ادا کریں، سالاروں پر کوئی بوجھ نہ ہو۔
میرے اندازے میں مستعمل بیلچوں کی قیمت جو انگریزی فوج ہزاروں کی تعداد میں نیلام کر دیتی ہے مختلف جگہوں
پر چار یا پانچ آنہ سے لیکر دس آنہ تک ہے۔ میں نے پشاور میں ہی مستعمل بیلچہ دس آنے پر خریدا تھا مگر لاہور میں
اس سے ذرا بڑے پھل والا پانچ آنے کو ملا۔ درجن کے حساب سے ایک بیلچہ صرف چار آنے میں پڑتا ہے اور
سَو کے حساب سے شائد صرف تین آنے میں، لیکن بیلچے کو تمام ہندوستان میں یکساں اور یک وضع بنانے
کی تجویز جو جنابِ والا نے نہایت ہوشمندی سے پیش کی ہے اسکی ترکیب یہ ہے کہ صرف مستعمل فوجی بیلچے

تجویز کی تھی۔ سالار اس تمام اثنا میں مختلف محلوں میں جائے اور ناظموں کو خدمتِ خلق کے متعلق ہدایات دے۔ تمام عمل پورے نظم ونسق سے ہو۔ خاکساروں کی روزانہ ہدایت اور تلقین کے لیئے عامل کو چند منٹ روزانہ وقف کرنا چاہیئے جمعہ کے دن نصف گھنٹہ کی بجائے ایک گھنٹہ عام قواعد ہو۔ بازاروں یا شہر کے مختلف حصوں میں مارچ ہو۔ خاکساروں کو سردست صرف یہ پونے دو گھنٹے خدمت روزانہ کرنا ہے۔ لیکن اس کے بعد نمازِ مغرب ایک میدان میں کھڑے ہوکر ادا کرنا اس تحریک کا سب سے زیادہ ضروری جز ہے۔ مختلف اسلامی فرقوں کے لوگ اگر اپنے اپنے طریق پر نماز ادا کریں تو کم از کم اُن کا ایک صف میں کھڑے ہوکر نمازیں پڑھنا ضروری ہے۔ اِن تمام امور کے علاوہ جو احکام خاکساروں اور سالاروں کیلئے مرکز سے نافذ ہوں اُنکی پابندی بہر نوع لازمی ہے۔ لیکن اگر شہر میں یا شہر کے نزدیک اِن دو گھنٹوں کے علاوہ خدمتِ خلق کا کوئی موقع یا حادثہ مثلاً آگ لگنا، مکان کا گر جانا وغیرہ وغیرہ ہو تو سالار جس وقت چاہے خاکساروں کو مدد کے لیئے بُلا سکتا ہے، اُسوقت خاکساروں کا بلاچون وچرا حاضر ہونا فرض ہے۔ الغرض خاکساروں کی تنظیم ایک مستقل فن ہوگا جسکی تعلیم مرکزی دارالاقامتہ میں ہونی چاہیئے اسکی مزید تفصیل یہاں پر کرنا ضروری نہیں۔ سالار اس تعلیم کو پورے طور پر حاصل کرکے اپنے اپنے حلقوں میں جائینگے تاہم جو نہایت اہم بات سالار کے پیش نظر ہر وقت رہنی چاہیئے یہ ہے کہ منتہائے نظر تمام قوم کو منظم کرنا ہے، سب کو ایک نقطے پر متحد کرنا ہے، سب سے جہد وعمل کا مناسب حصہ اور سب کو ایک آواز پر مجبور کر دینا ہے، ایک شخص کو جو مسلمانی کا دعویدار ہے چھوڑنا نہیں۔ اس اہم مقصد کو سامنے رکھکر سالار کی تمام کوشش اس بات میں صرف ہونی چاہیئے کہ حتی الوسع ایک مسلمان بھی اس تحریک کا مخالف نہ رہنے پائے، جو شخص اپنی عمر یا کسی اَور تقاضے سے اسمیں عملی مدد نہیں دے سکتا وہ صرف خاکی رنگ کے کپڑے پہنے، بیلچے کو ہر وقت اپنے پاس رکھے اور دل سے اسکی

یا اور پیشہ کے لئے نکالکر باقی تمام وقت اس تحریک میں صرف ہو۔ سالار دفتر کے کاغذ قلم دوات سیاہی کا
خرچ اپنی جیب سے دیں ڈاک کے محصول وغیرہ کا خرچ بھی حتی الوسع اپنے پاس سے دیں یا دست و بازو سے
پیدا کریں، لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو ڈاک کیلئے ایک پیسہ ماہانہ خاکساروں سے اکٹھا کر سکتے ہیں بشرطیکہ ڈاک کا
تمام خرچ نکالکر عامل کے پاس دس روپیہ سے زیادہ بچت کبھی نہ ہونے پائے ورنہ اُسی نسبت سے چندہ کم
کر دیں۔ سالار جیساکہ میں نے پہلے بھی کہا ہے آسودہ حال بلکہ غنی ہونے چاہئیں، وہ اس حرکت کا اکثر بوجھ
اپنے سر پر لیں اور اوّل سے آخر تک کفایت شعاری، خاکساری اور غریبی مد نظر رہے۔ ایک سالار کے حلقے
میں دس ہزار مسلمان آبادی ہونی چاہیئے۔ اور سالار کا فرض ہو کہ اس دس ہزار آبادی میں سے ایک
برس کے اندر اندر دو ہزار خاکسار پیدا کرے جو سالار اس فرض کو پورا نہ کر سکے اُسکا عمل افضل نہ سمجھا جائے گا۔
اِلّا یہ کہ سالار کا حلقہ اثر دس ہزار نفوس پر مشتمل نہ ہو۔ اس صورت میں آبادی کے پانچویں حصے کو اس حرکت میں
عملاً شامل کرنا اُسکا فرض ہے۔ ہر سالار کو پچاس میل کے اندر اندر باقی سب سالاروں کے ساتھ ذاتی تعلقات
قائم کرنے چاہئیں، کثرت سے ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات قائم رہے، اکثر سفر پیدل ہو، ایک دوسرے کے
پاس جاکر کوئی کسی پر بوجھ نہ ہو، اور تمام حرکت کا حتی الوسع یکساں رنگ اور چلن ہو۔ مرکز کے احکام کی پوری
اطاعت ہر سالار پر واجب ہے بلکہ اپنے عمل کی مفصل اطلاع اکثر دینا بھی اُسکے فرائض میں داخل ہے۔ خاکساروں کے
فرائض یہ ہیں۔ نماز مغرب سے پونے دو گھنٹے پہلے مقررہ وقت پر سب خاکسار خاکی لباس پہنے اور بیلچوں کو گھروں
میں آدھ گھنٹہ تک خوب صیقل کر کے جمع ہوں۔ آدھ گھنٹہ تک میدان میں عام قواعد ہو۔ بیس خاکساروں پر
ایک ناظم مقرر ہو۔ اور سب ناظم اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ قواعد کے بعد سالار کے حکم پر مارچ کریں مختلف محلوں
میں خدمت خلق کے جائیں۔ بعینہٖ اُسی طرح پر خدمت کریں جس طرح کہ مرکزی دارالاقامۃ میں سالاروں کے لئے

سعی کرنی چاہیئے اور یہی باہمی سلوک اور رواداری مسلمانوں اور ہندوؤں کو آپس میں متحد کرنے کا باعث ہوگی۔ اسی میں اس حرکت کی ترقی کا راز ہے۔ تحریک کے سب علمبرداروں کو قوم کے ساتھ متحد رکھکر قوم کی قوت کو بڑھانا مقصود ہے الگ پارٹی یا الگ جماعت پیدا کرنا پیش نظر نہیں۔ اس بنا پر یہ امر از بس ضروری ہو کہ قوم کے ہر طبقے اور فرقے کے لوگ اس حرکت میں شامل ہوں۔ حکومت کے ملازم، پولیس والے فوجی سپاہی، ملازمین کے رشتہ دار، پولیس اور فوج والوں کے رشتہ دار، فوجی سپاہیوں کے عزیز واقارب، دکاندار، تاجر، معلم، طالب علم، مزدور پیشہ، زمیندار، عالم، جاہل، مولوی، غیر مولوی، دین دار، دنیا دار۔ الغرض کوئی طرف خالی نہ رہجائے۔ ہر طرف سے علمی اور اخلاقی مدد پہنچتی رہے۔ الحاصل اس حرکت کو صحیح معنوں میں قوم کی حرکت بنا کر ثابت کردیا جائے کہ قوم زندہ ہے مری نہیں۔ ایسی حرکت صحیح معنوں میں سوراج کی پہلی منزل ہو۔ مسلمانوں کو اکثر اوقات یہ امر نہایت شکستہ دل کردیتا ہے کہ وہ اقلیت میں ہیں۔ اور اسی اقلیت کی وجہ سے کمزور ہیں۔ ریاضیات اور علمِ تعداد کی بنا پر یہ فلسفہ اور قاعدہ درست ہو۔ جمادات اور اُن اشیا میں جن کے اندر زندگی نہیں ممکن ہو کہ یہ قاعدہ عام طور پر درست نظر آئے۔ مگر فطرت کی اُن اشیا میں جو زندہ ہیں، یہ قاعدہ ہر جگہ درست نہیں۔ فطرت کا اوّلین اور اصولی تقاضا یہ ہے کہ ہر چھوٹی اور تھوڑی شئے کے اندر بڑھاؤ اور نمو کی برقی قوت اور ہر بڑی اور پھیلی ہوئی شئے کے اندر تکمیل کا ضعف اور زوال کی ناتوانی کے سامان پیدا ہوں۔ اسلامی فلسفہ بھی اسی قانونِ فطرت کے مطابق ہو اور مسلمانوں کی اقلیّت اور حسابی ضعف کے اندر قوّت اور غلبہ کا صحیح راز دیکھتا ہے۔ مسلمان کی تعریف قرآن حکیم نے یہ کی ہے کہ اگر بیس۲۰ ہونگے تو دو سَو۲۰۰ پر غالب آکر رہیں گے اور اگر سَو ہونگے تو ایک ہزار کو پچھاڑینگے۔ انتہائی ضعف کی حالت میں بھی اسلام ایک مسلمان کو دو دشمن کے برابر سمجھتا ہے۔

خوبیوں کا مقر ہو کر اخلاقی مدد دے۔ جو عملی مدد دینے کے قابل ہے اُسکو عمل کے لیئے تیار کیا جائے اِس حرکت کو درجۂ کمال پر پہنچانے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ خاکساروں کے لیئے روزانہ روٹی کمانے کے لیئے آسانیاں پیدا کیجائیں۔ ہر گاؤں یا قصبہ میں جہاں تحریک قائم ہو جائے، سالار چھوٹے پیمانے پر ایسی دستکاریاں شروع کرے، جن سے روزانہ ہر بیکار خاکسار کو کوئی نہ کوئی مزدوری ملتی رہے، سَن اور مونجھ سے بان اور رسّے بٹنا، سرکنڈے کے مونڈے (موڑھے) بنانا، سرکنڈے کی چِکوں کا تیار کرنا، نواڑ اور رسّیوں کی چٹائیوں کا بُننا، کھدّر بُننا، تیل نکالنا، تولیہ بافی، وغیرہ وغیرہ۔ ایسی دستکاریاں ہیں جن کے تیار کرنے کا مصالحہ خود گاؤں میں موجود ہوتا ہے، اور اکثر نہایت سستے داموں پر ملجاتا ہے۔ سالار عامل اگر ہوشمند اور کفایت شعار ہو تو اس تجویز پر عمل کرنے سے تھوڑے سے سرمایہ سے ایک خاکسار بھی بیکار نہیں رہ سکتا۔ مسلمانوں کی تجارت کو عظیم الشان فروغ حاصل ہو سکتا ہے، اور اِس کے علاوہ ایک معقول رقم سالانہ اس حرکت کی مدد کے لیئے مستقل طور پر جمع کی جاسکتی ہے، سالار اگر اِس منافع کا تیسرا یا زیادہ سے زیادہ نصف حصہ اپنی اُجرت کے طور پر رکھ لے تو جائز ہے لیکن ایک ایک پائی کا حساب موجود ہونا چاہیئے اور باقی منافع کو صرف اس حرکت کی مدد کے لیئے محفوظ رکھنا چاہیئے۔ خاکساروں کو بیکاری سے قطعی طور پر محفوظ رکھنے کے لیئے یہ بھی ضروری ہے کہ علاقہ کے سرمایہ داروں میں اِس حرکت کے متعلق ہمدردی کی ہوا پیدا کی جائے۔ سالار کی طرف سے عام اعلان ہو کہ مسلمان اور ہندو ملازمت کیوقت سب سے پہلے اُس شخص کو ترجیح دیں جو خاکی لباس میں ہو، روزانہ مزدوری میں ایسے شخص کا خاص خیال کیا جائے، عام دکاندار بھی ایسے شخص سے باقی لوگوں کی نسبت عمدہ سلوک کریں، چیز دیتے وقت اُن سے نفع کم لیں، چیز بہتر دیں الغرض اگر کچھ رعایت ہو سکتی ہے کریں۔ سالار کے لیئے اپنے حلقۂ اثر میں ایسی ہوا پیدا کرنے کیلئے تمام ممکن

سپاہیانہ قواعد کی صف میں ایک خاکسار

پس اگر قوم کو پھر قوی کرنا ہے تو سالار کے لیئے مسلمانوں کی قلت کے اندر قوت کا صحیح راز دیکھنا اور قوم کے ہر گوشے کے اندر بالش اور نمو کی برقی قوت بھر دینا فرض عین ہے۔ سالار کا منتہا یہ ہو کہ امت کا کوئی عضو بیکار نہ ہے، فقرا اور بھک منگوں تک منظم ہو جائیں، بیکاروں میں پھر قوت آجائے، کارندوں کی طاقت المضاعف ہو، قوت والوں میں اور بجلی بھر دی جائے۔ مسلمانوں کو اگر ایسے صحیح کارکن پھر مل گئے تو میری فکر یہ ہی کہ پانچ برس کے اندر اندر آٹھ کروڑ مسلمانوں کا بیڑا پار ہے۔

ہمدرد۔ ہم سب جناب والا کے شکر گذار ہیں اور یقین ہے کہ اس تاریخی صحبت کو ہرگز دلوں سے محو نہ کر سکیں گے۔ جناب کے چہرے پر تکان دیر سے ظاہر ہے۔ اسلیئے ہم صرف رخصت کے طلبگار ہیں۔ اللہ عزوجل جناب والا کو اس تکلیف کی جزائے خیر دے ہمارا منہ نہیں کہ جناب کو کچھ پیش کر سکیں مگر ڈاکٹر صاحب نے ابھی ابھی جو کچھ میرے کان میں کہا ہے اگرچہ برگ سبز ہے مگر میرے نزدیک قابلِ قبول شئی ہے۔ انہوں نے تجویز کی ہے کہ اس صحبت کی تمام روئداد کو جو انہوں نے حرف بحرف لکھ لی ہے جناب والا اپنے طور پر شائع کر دیں۔

مصنف۔ میں آپکے اس عزیز القدر تحفے کیلئے نہایت احسانمند ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مکالمے کو ساتھ ساتھ لکھنے میں نہایت ہوشمندی اور محبت سے کام لیا۔ انکی برق نویسی پر سخت متعجب ہوں میں اگر اسکو لکھنے پھر بیٹھتا تو غالباً کئی مہینے صرف ہوتے اور با ایں ہمہ ہرگز ایسا نہ لکھ سکتا۔ میں ضرور اسکو شائع کرونگا اور ڈاکٹر صاحب کا ہمیشہ کیلئے شکر گذار رہونگا کہ چھ گھنٹے تک جانکاہ محنت کی اور بالآخر میری محنت اسقدر کم کر دی۔ اللہ جل شانہ ہم سب کا مددگار رہے اور آپکا واپسی سفر خیریت سے ہو۔ خدا حافظ +

۸۔ جولائی سنہ ۱۹۳۱ء

یہ کتاب ناظم دفتر تذکرہ، کٹرہ شیر سنگھ امرتسر سے ملسکتی ہے

باہتمام میاں محمد حسین طابع و ناظم

مطبع عام برقی پریس انارکلی لاہور میں محمد حسین نے بیابش طبع ہوئی

کتبہ فقیر ابو یوسف محمد الدین دہلوی کاتب تذکرہ